سہ ماہی

سوئے طیبہ

جلد:01 | شمارہ 03 | رجب المرجب تا رمضان المبارک 1446ھ جنوری تا مارچ 2025ء

زیر سرپرستی

فضیلۃ الشیخ، یادگار اسلاف، پیر سید
صابر حسین شاہ بخاری
دامت برکاتہم العالیہ

مدیر اعلیٰ: مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی

مدیر: مولانا دانیال سہیل عطّاری

ادارہ: قندیلِ حق، اٹک پنجاب، پاکستان

تزیین کار: جواد اسلامک انسٹیٹیوٹ
+92336-6141064

اعلیٰ حضرت، امام اہل سنت
امام احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ

مضامین "سہ ماہی مجلہ سوئے طیبہ"

منظومات

مقاصد و اہداف

☆ ہم نے اس سہ ماہی مجلہ کا آغاز خالصتاًرب العالمین کی رضا پانے اور محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم کی نظر رحمت حاصل کرنے کیلئے کیا ہے۔

☆ محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم کی سیرت، حسن و جمال الغرض جمیع اوصاف کو وقتاً فوقتاً زینت قرطاس بنا کر لوگوں تک پہنچانا، ہمارا نصب العین ہے۔

☆ قرآن و سنت کا پیغام بنام درس قرآن و درس حدیث کے توسط سے عام کرنا۔

☆ عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ کرنا، اور اسکی صحیح ترجمانی کرنا۔

☆ اہل سنت کے عقائد و نظریات کا تحفظ ہمارے ترجیحی مقاصد میں سے ہے۔

☆ دین اسلام پر وارد اعتراضات کے جوابات دینا، اور تعلیمات اسلام کی صحیح ترویج و اشاعت کرنا۔

☆ صحابہ و اہل بیت کے فضائل و مناقب بیان کرنا، اور ان مقدس ذوات کا دفاع کرنا۔

☆ اس کے توسط سے لوگوں کو قرآن و سنت سے وابستہ کرنا، اور نبی پاک صاحب لولاک صلَّی اللہ علیہ وآلہ وسلَّم کی چوکھٹ پہ لا کھڑا کرنا۔

☆ ماہرین فن علما کے علمی شہ پاروں کے ساتھ ساتھ نوجوان فضلا کی معیاری تحریروں کو منظر عام پر لا کر انکی دلجوئی کرنا، اور انکا دست و بازو بننا۔

☆ مختلف اور جدید مسائل پر تحقیقات پیش کرنا۔

☆ معاشرے میں پھیلی بدامنی، انارکی اور بدعملی کے خاتمے کے لیے اصلاحی پیغام لوگوں تک پہنچانا۔

نوٹ! ان شاء اللہ سالانہ بنیادوں پر اس سہ ماہی کی اشاعت بھی کی جائے گی۔

اپیل! ہمارے نیک ارادوں کی تکمیل کے لیے اور ہمارا پیغام عام کرنے کے لیے ہمارا ساتھ دیجیے۔

+92310:0053916......+92315:5870158

حمد باری تعالیٰ

از: مولانا حسن رضا خان بریلوی رحمۃُ اللہِ علیہ

ہے پاک رُتبہ فکر سے اُس بے نیاز کا
کچھ دَخل عقل کا ہے نہ کام اِمتیاز کا

شہ رَگ سے کیوں وِصال ہے آنکھوں سے کیوں حجاب
کیا کام اس جگہ خردِ ہرزہ تاز کا

لب بند اور دل میں ہیں جلوے بھرے ہوئے
اللہ رے جگر ترے آگاہِ راز کا

غش آگیا کلیم سے مشتاقِ دِید کو
جلوہ بھی بے نیاز ہے اُس بے نیاز کا

ہر شے سے ہیں عیاں مِرے صانع کی صنعتیں
عالم سب آئنوں میں ہے آئینہ ساز کا

اَفلاک و اَرض سب ترے فرماں پذیر ہیں
حاکم ہے تو جہاں کے نشیب و فراز کا

اس بے کسی میں دِل کو مِرے ٹیک لگ گئی
شہرہ سنا جو رحمت بے کس نواز کا

مانندِ شمع تیری طرف لو لگی رہے
دے لطف میری جان کو سوز و گداز کا

تو بے حساب بخش کہ ہیں بے شمار جرم
دیتا ہوں واسطہ تجھے شاہِ حجاز کا

بندے پہ تیرے نفسِ لعیں ہوگیا محیط
اللہ کر علاج مری حرص و آز کا

کیوں کر نہ میرے کام بنیں غیب سے حسنؔ
بندہ بھی ہوں تو کیسے بڑے کارساز کا

نعت شریف

از: مفتی محمد مُعَظّم سدا معظم مدنی صاحب

وہی مومن جسے تو سب سے فزوں ہے یوں ہے
وہی دانا ہے جسے تیرا جنوں ہے یوں ہے

قحط میں ذکر ترا ابرِ کرم شاہِ اُمَم !
حَبس میں یاد تری بادِ سکوں ہے یوں ہے

ساقیٔ کوثر و تسنیم ! کوئی قطرۂ وَصل !
دل جلانے کو مِرا سوزِ دروں ہےیوں ہے

والد و والدہ ، اولاد و جہانِ زر و سیم
مجھ کو ہر شے سے تِرا نام فزوں ہے یوں ہے

ہے حقیقت میں شہا ! تیری حقیقت کا وجود
اور باقی تو فسانہ ہے فسوں ہے یوں ہے

اِک تری شان کا چرچا ہے سرِ بزمِ نُشور
اِک ترا نام پسِ کُن فیکوں ہے یوں ہے

نَفَس قلب پہ موقوف ہے جسموں کی حیات
رگِ عالم میں رواں آپ سے خوں ہے یوں ہے

منزلِ اوجِ ترقّی ہے ترا نقشِ قدم
تیری سیرت کے سوا حال زبوں ہے یوں ہے

تیرے اِک وصف کی تشریح کو صدیاں بھی ہیں کم
کوئی کب تک کہے رتبہ ترا یوں ہے یوں ہے

آل و اصحاب کی الفت ہے مُعَظّمؔ لازم
دین کی چھت کا یہ مضبوط سُتوں ہے یوں ہے

درس قرآن (قسط:02)

از: مولانا دانیال رضا پیروانی

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ﴿۱۵۳﴾ ﴾

ترجمہ کنز العرفان: اے ایمان والو! صبر اور نماز سے مدد مانگو، بیشک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔

(البقرۃ، آیت 153)

اس آیتِ مبارکہ میں صبر و صلوٰۃ کی تخصیص کی وجہ بیان کرتے ہوئے حضور مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ "صبر، باطنی عبادات میں بدن کے لیے بہت سخت ہے اور نماز، ظاہری طور پر بدن پر زیادہ سخت، کیونکہ نماز کئی قسم کی طاعات کا مجموعہ ہے۔ مثلاً: ارکان و سنن و مستحبات اور خشوع و خضوع اور توجہ و سکون اور دیگر جملہ عباداتِ شاقّہ، جن کی ادائیگی توفیقِ الٰہی کے بغیر ناممکن ہے۔ اسی لیے صبر و صلوٰۃ کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا گیا۔ اور چونکہ خطاب تمام ایمان والوں سے ہے، اس لیے خصوصی طور پر اُس عبادت کا ذکر کیا گیا جو تمام ایمان والے مکلفین پر فرض ہے۔ گناہوں سے بچنا، جس کی تعبیر صبر سے کی گئی ہے، ہر مومن پر فرض ہے۔ اسی طرح نماز بھی سب پر فرض ہے برخلاف زکوٰۃ کے، جو صرف صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور برخلاف حج کے، جو صرف صاحبِ استطاعت پر فرض ہے۔ رہ گیا روزہ، تو وہ کھانے پینے کی خواہشات سے روکتا ہے اور ترکِ خواہشات، صبر ہی کا ثمرہ ہے۔

(تفسیر اشرفی، البقرۃ، تحت ھذہ الآیۃ)

صبر کی تعریف: اس آیت میں صبر کا ذکر ہوا ہے۔ صبر کا معنی یہ ہے کہ نفس کو اُس چیز پر روکنا جس پر رکنے کا عقل اور شریعت تقاضا کر رہی ہو یا نفس کو اُس چیز سے باز رکھنا جس سے رکنے کا عقل

اور شریعت تقاضا کر رہی ہو۔(مفردات امام راغب، ص474)

صبر کی اقسام: مسند الفردوس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(1) مصیبت پر صبر کرنا (2) طاعت پر صبر کرنا (3) معصیت پر صبر کرنا۔(مسند الفردوس،416/2)

صبر کے فضائل: صبر کے فضائل میں کئی احادیثِ مبارکہ وارد ہوئی ہیں جن میں سے چند ذکر کرتا ہوں:

ہمارے پیارے آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا ارشاد ہے: ”وہ مسلمان جو لوگوں سے مل جل کر رہتا ہے اور اُن سے ایذاء پہنچنے پر صبر کرتا ہے، وہ اُس مسلمان سے بہتر ہے جو لوگوں سے مل جل کر نہیں رہتا اور اُن کی طرف سے ایذاء پہنچنے پر صبر بھی نہیں کرتا۔“(جامع ترمذی، ص229)

امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”ایمان کے دو نصف ہیں، ایک نصف صبر میں ہے اور ایک نصف شکر میں ہے۔“(شعب الایمان، ج7، ص123)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور رحمۃ للعالمین صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ”وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اسلام قبول کیا اور اس کا رزق بقدرِ ضرورت تھا، اس نے اس پر صبر کیا۔“(شعب الایمان، ج7، ص125)

صبر کا اثر ہماری زندگی پر: صبر، زندگی میں مشکلات کا سامنا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ مندرجہ بالا آیت ہمیں صبر کی عظمت اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے صَابِرِیْن کو عطا کی جانے والی خصوصی مدد کی خوشخبری دیتی ہے۔ انسان کو آزمائشوں، مشکلات اور تکالیف کا سامنا تاحیات کرنا پڑتا ہے، مگر صبر ہی ایک ایسی قوت ہے جو اسے نہ صرف ان مشکلات میں ثابت قدم رکھتی ہے بلکہ اسے اپنے مقاصد کے حصول کے لیے ہمت اور حوصلہ فراہم کرتی ہے۔

صبر کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ صرف مشکلات پر خاموش رہا جائے بلکہ اس بات پر یقین بھی رکھنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی حکمت ہوتی ہے۔ صبر کے ذریعے انسان اپنی خواہشات کو اللہ کی مرضی کے مطابق ڈھال لیتا ہے اور اللہ پر توکُّل رکھتا ہے۔ اسی صبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو انعامات سے نوازتا ہے اور انہیں وہ مقام عطا کرتا ہے جو بغیر صبر کے حاصل نہیں ہو سکتا۔

استعانت بالغیر: اس آیتِ مبارکہ میں استعانت بالغیر کا حکم دیا گیا، یعنی صبر و نماز سے استعانت کا حکم دیا گیا ہے جو کہ غیر اللہ ہے۔ حقیقی مستعان تو اللہ عَزَّوَجَلَّ ہی ہے، لیکن اللہ عَزَّوَجَلَّ نے ان چیزوں کو وسیلہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ تو استعانت صرف اللہ ہی سے کی جائے گی، لیکن اس کے لیے وسیلہ ضروری ہے، اور اگر اسی وسیلہ کو غیر اللہ سے استعانت کہا جائے، تو یوں کہیے:

استعانت باللہ کے لیے استعانت بالغیر ضروری ہے، چاہے وہ صبر، نماز یا اعمالِ صالحہ سے ہو، یا نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم، انبیائے کِرام، اولیائے عِظام اور صالِحین سے ہو، چاہے وہ زندہ ہوں یا دنیا سے جا چکے ہوں۔ ان میں سے ایک گروہ وہ ہے جو دنیا سے جانے کے باوجود بھی اپنی قبروں میں زندہ اور محفوظ ہے، اور دوسرا گروہ وہ ہے جس کی روحانی قوّت میں موت کے بعد اضافہ کیا گیا ہے۔ اب ان کی دیکھنے، سننے کی قوّت میں کمی نہیں، بلکہ اضافہ ہوا ہے؛ کہ عام مؤمنین کی قوّتوں میں بھی بعدِ موت اضافہ ہوتا ہے، تو مقرّبین و صالِحین کا کیا کہنا۔

یہاں مقصود مسئلۂ استعانت کی وضاحت نہیں، بلکہ اپنا عقیدہ بیان کرنا مقصود ہے۔ حیرت ہے ان لوگوں پر جنھوں نے اس مسئلے کو الجھا کر رکھ دیا اور مسلمانوں پر شرک کے فتوے لگانے لگے۔ جو دعا میں سرکار کا وسیلہ پیش کرے، اسے حرام کہہ دیا، جو ولی یا بزرگ کی قبر پر جائے، اسے مشرک کہہ دیا۔ ان لوگوں نے امت میں انتشار پیدا کیا۔ اگر مسلمانوں سے حسنِ ظن رکھتے تو فرقہ بندی نہ پیدا ہوتی، مگر ان نام نہاد مصلحین نے تفرقہ پیدا کیا اور امت کو فتنوں میں مبتلا کیا۔

بہر حال، استعانت بالغیر یعنی غیر اللہ سے مدد مانگنا نہ حرام ہے، نہ کفر، نہ شرک، بلکہ سنّتِ انبیاء ہے۔ اللہ تعالیٰ، باوجود قدرت کے بغیر وسیلہ کے کچھ نہیں دیتا۔ وہ اپنے مقرّبین، محبوبِین کی اہمیت کی بقاء اور عام لوگوں کو ان کی احتیاج اور کمزوری کا احساس دلانے کے لئے وسیلہ اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور پسند کرتا ہے کہ اس کے بندے اس کے محبوبِین کا دامن پکڑیں۔ پس یہی ہمارا عقیدہ ہے، اللہ اس پر قائم رکھے۔ آمین۔

(یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا، ج1، ص72، 73 ملخّصاً)

یَا أَکْرَمَ الخَلْقِ مَالِي مَنْ أَلُوذُ بِهِ
سِوَاكَ عِنْدَ حُلُولِ الحَادِثِ العَمِمِ

اللہ عَزَّوَجَلَّ! ہمیں ہر حال میں صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں عقیدۂ اہلِ سنّت پر ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔ اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

درس حدیث (قسط:02)

از: مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی

عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ: بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا،وَلَا تَسْرِقُوا،وَلَا تَزْنُوا،وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ،وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ،وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ،فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ،وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللَّهُ فَهُوَ إِلَى اللَّهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ

ترجمہ: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو غزوہ بدر میں شریک تھے اور لیلۃ العقبہ کے نقیبوں میں سے تھے۔ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ والہ وسلَّم نے اس وقت جب آپ کے پاس صحابہ کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی فرمایا:

میری بیعت کرو اس بات پر کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرو گے ، چوری نہ کرو گے ،زنا نہ کرو گے ،اپنی اولاد کو قتل نہ کرو گے اور نہ جان بوجھ کر کسی پر کوئی بہتان باندھو گے اور کسی بھی اچھی بات میں نافرمانی نہ کرو گے۔ جو کوئی تم میں سے اس عہد کو پورا کرے گا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی کا ارتکاب کرے (عہد توڑے یعنی چوری و زنا وغیرہ کرے) اور اسے دنیا میں سزا دے دی جائے تو یہ سزا اس کے لیے (گناہوں کا) بدلہ (کفارہ) ہو جائے گی اور جو کوئی ان میں سے کسی بات میں مبتلا ہو گیا اور اللہ نے اس کے (گناہ) کو چھپا لیا تو پھر اس کا (معاملہ) اللہ

کے سپرد ہے، اگر چاہے معاف کرے اور چاہے تو سزا دے۔ پھر ہم سب نے ان (سب باتوں) پر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے بیعت کرلی۔

(صحیح بخاری، کتاب الایمان، الحدیث:18)

الفاظ کے معانی: 1۔ النُّقَبَاء! یہ نقیب کی جمع ہے۔ نگران اور سردار کو نقیب کہا جاتا ہے۔ 2۔ عِصَابَةٌ! منظم طریقے سے بیٹھے ہوئے چند افراد کی جماعت کو عصابہ کہا جاتا ہے۔

توضیح الحدیث:

1۔ عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَكَانَ شَهِدَ بَدْرًا وَهُوَ أَحَدُ النُّقَبَاءِ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ

یہاں بیعت عقبیٰ اولیٰ مراد ہے۔ بیعت عقبی اولی کے متعلق کچھ پس منظر ذہن نشین کرلیجیے۔ سرور عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا معمول تھا کہ ہر سال ایام حج میں مختلف قبائل کے پاس تشریف لے جاتے اور انھیں دین اسلام کی دعوت دیتے۔ اسی سلسلے میں سرور عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ایک مرتبہ عقبہ پہنچے، اسلام کی دعوت دی تب مدینہ سے قبیلہ خزرج کے کچھ لوگ (چھ افراد) وہاں موجود تھے جب انھوں نے دین اسلام کی ندا سنی تو سرکار دو عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے پاس حاضر ہو گئے، چوں کہ پہلے ہی نبی آخر الزمان صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے بارے میں سن چکے تھے تو انھوں نے جان لیا کہ یہی اللہ پاک کے آخری نبی ہیں۔ فوراً دست اقدس پر بیعت کر کے دامن اسلام سے وابستہ ہو گئے۔

اس کے بعد یہ لوگ واپس مدینہ چلے گئے اور دین اسلام پر خود کاربند رہے اور مزید لوگوں کو دین حق کی طرف بلاتے رہے اور یوں یہ قافلہ بڑھتا گیا، آئندہ سال جب یہ لوگ نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بارگاہ عالی مرتبت میں حاضر ہوئے تو ان کی تعداد 12 تھی۔ اس موقع پر نبی کریم نے بیعت لی، اسے بیعت عقبی اولی کہا جاتا ہے اور حدیث میں بھی اسی بیعت کا ذکر ہے کہ اس بیعت میں حضرت عبادہ بن صامت بھی نقیب تھے۔

2۔ بَايِعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ، وَلَا تَأْتُوا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُونَهُ بَيْنَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرُوفٍ

بیعت کرنا اس معنی میں تھا کہ صحابہ کرام نے نبی پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے یہ عہد کیا کہ ہماری جان و مال سب آپ کے لیے حاضر ہے، اور حضور اقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے یہ وعدہ کیا کہ اگر تم اس عہد پر قائم رہے تو جنت میں دائمی ٹھکانہ تمھیں عطا کیا جائے گا۔

چوں کہ سرور عالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی تشریف آوری سے پہلے ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا، لوگ کفر و شرک میں مبتلا تھے، بتوں کو خدا و حاجت روا تسلیم کیا جاتا تھا تو سب سے پہلے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے یہ عہد لیا کہ وعدہ کرو کہ اللہ پاک کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے۔

اللہ کو وحدہ لاشریک ماننا باب عقائد میں سے ہے۔ پہلے عقیدے کو ذکر کیا بعد میں اعمال کو، معلوم ہوا عقیدہ پہلے ہے اور اعمال بعد میں۔

عقیدہ توحید و رسالت پر ایمان لائے بغیر لاکھ نیکیاں کرلے رد کردی جائیں گی۔ لہذا پہلے ضروریات دین کو ماننا لازم ہے۔

چوری نہ کرو: دوسرے نمبر پر حضور پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس بات کا عہد لیا کہ تم چوری نہ کرو گے۔ یہاں سے اعمال کی اصلاح کے متعلق احکام ارشاد فرمائے گئے۔

چوری کرنا کبائر میں سے ہے۔ اس کی سزا قرآن پاک میں بیان کی گئی ہے کہ چوری کرنے والے کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔ قرآن میں ہے: وَ السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۳۸﴾ اور چور خواہ مرد ہو یا عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو یہ ان کی کمائی کا بدلہ اور اللہ کی طرف سے عبرت ناک سزا ہے، اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔

(سورۃ المائدۃ، الآیۃ:38)

اس عمل بد کی سزا سے اس کی خباثت و قباحت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

زنا کی ممانعت: چوری کے بعد زنا سے منع کیا گیا۔ اس کی مذمت قرآن و حدیث میں وارد ہوئی ہے، ان اعمال سے بطور خاص ممانعت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ کام اُس عہد و معاشرے میں عام تھے تو ان کی روک تھام کے لیے ان کا ذکر خاص طور پر کیا گیا۔

چوری وزنامیں ایک بڑی قباحت یہ بھی ہے کہ ان میں عامۃ الناس کے بہت سارے حقوق متعلق ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کی چوری کی تو اس کے لوازمات حیات اس چیز کے ساتھ وابستہ ہوں گے ،مدتوں کی محنت ہو گی۔ اور زنا کے نتیجے میں اگر حمل ٹھہر گیا تو بچے و عورت کی زندگی بے سود جائے گی اور اہل زمانہ کی سختیوں و تلخیوں کا سامنا کرنا مشکل ہو جائے گا۔

آقا حضور فرماتے ہیں:

لَا يَزْنِي الزَّانِي حِينَ يَزْنِي وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَشْرَبُ الْخَمْرَ حِينَ يَشْرَبُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَسْرِقُ السَّارِقُ حِينَ يَسْرِقُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ ، وَلَا يَنْتَهِبُ نُهْبَةً يَرْفَعُ النَّاسُ إِلَيْهِ فِيهَا أَبْصَارَهُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

ترجمہ !جب بھی زنا کرنے والا زنا کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں رہتا ، جب بھی کوئی شراب پینے والا شراب پیتا ہے تو وہ مؤمن نہیں رہتا، جب بھی کوئی چوری کرنے والا چوری کرتا ہے تو وہ مؤمن نہیں رہتا ، جب بھی کوئی لُوٹنے والا لوٹتا ہے کہ لوگ نظریں اٹھا اٹھا کر اسے دیکھنے لگتے ہیں تو وہ مومن نہیں رہتا۔(بخاری، کتاب الحدود، الحدیث:6772)

حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں: ینزع منہ نور الإیمان فی الزنا ترجمہ !زنا کرنے میں نور ایمان اٹھالیا جاتا ہے۔

چوری و زنا کرنے کی حالت میں بندہ مؤمن نہیں رہتا۔ معنی یہ ہے کہ چوری و زنا کرنا اہل ایمان کی شان نہیں بلکہ کافروں و مشرکوں کی علامت و نشانی ہے۔

یہاں زنا و چوری کی مذمت مقصود ہے۔

اولاد کو قتل کرنا: پھر فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اہل عرب اپنی مفلسی و غربت اور اس ڈر کے سبب کہ ہم انھیں کہاں سے کھلائیں گے اپنے بچوں کو مار دیتے تھے اور اور بیٹیوں کو اپنی نام نہاد غیرت در حقیقت وحشت و جہالت کی وجہ سے قتل کر دیتے ۔اس عجیب اور بری رسم سے روکتے ہوئے مدینے کے تاجدار صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔

بہتان لگانا: بہتان کا عام فہم مفہوم یہ ہے کہ کسی پر جھوٹا الزام لگانا۔ کسی مسلمان پر بہتان لگانا بھی بڑا گناہ ہے اس لیے منع فرمایا کہ کسی پر بہتان نہ لگاؤ۔

بعض اوقات کسی پر بہتان لگانا اس کے گھر اجڑنے کا سبب بن جاتا ہے اور کبھی کسی کے قتل کا سبب بن جاتا ہے۔

اچھے کام میں اطاعت: رب تعالی نے جن کاموں کے کرنے کا حکم ارشاد فرمایا ہے وہ تو بالیقین اچھے ہیں۔اسی طرح جن کا حکم حضور اقدس صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا وہ بھی اچھے ہیں کہ آپ صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم جو بھی فرماتے وہ وحی خدا بن جاتی جس میں کذب کا احتمال نہیں۔

البتہ حاکم اسلام ، والدین ،بہن بھائی یا دیگر رشتہ دار کسی کام کا کہیں تو اس میں دیکھنا ہو گا کہ اگر وہ اچھی بات کی تلقین کریں تو اسے مان لینا چاہیے اور اگر ایسا کام کہیں جو برا ہو ،ناجائز ہو تو پھر اسے ماننا جائز نہیں۔

3۔ فَمَنْ وَفَى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللهِ

مبایعت میں بدلہ ہوتا ہے۔جن باتوں سے منع فرمایا گیا ہے ان سے رکنے کا بدلہ کیا ہو گا ؟اس حدیث میں تصریحا مذکور تو نہیں بس اتنا ہے کہ اس کا اجر اللہ پر ہے مگر صنابحی کی روایت میں لفظ "بالجنۃ" مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کی پاسداری کا بدلہ جنت ہے۔

4۔ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ ، وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللهُ فَهُوَ إِلَى اللهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ، فَبَايَعْنَاهُ عَلَى ذَلِكَ۔

یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ کسی شخص نے دنیا میں کوئی جرم کیا اور پھر اسے اس جرم کی سزا دنیا میں ہی مل گئی تو سزا کا ملنا اس کے لیے کفارہ ہو گا یا نہیں؟ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ حدود و تعزیرات گناہوں کے لیے کفارہ ہیں، مگر مسلک احناف یہ ہے کہ حدود و تعزیرات گناہوں کے لیے کفارہ نہیں۔

جمہور کی دلیل: حدیث کا یہ حصہ "وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذَلِكَ شَيْئًا فَعُوقِبَ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ" اور اس کی ہم معنی دیگر احادیث اس امر پر دلیل ہیں کہ حدود گناہوں کے لیے کفارہ ہیں۔

احناف کی دلیل: اللہ پاک نے قرآن مجید میں ڈاکوؤں اور لٹیروں کی سزا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ذَالِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ

عَظِيمٌ۔ترجمہ: یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب تیار ہے۔

(المائدۃ:34)

یعنی دنیا میں سزا مل جانے کے باوصف آخرت میں عذاب دیا جائے گا تو ثابت ہوا کہ حدود گناہوں کے لیے کفارہ نہیں، کیوں کہ اگر حدود کفارہ ہوتیں تو پھر حدود کے نفاذ کے بعد یہ نہ کہا جاتا کہ یہ تو محض دنیا کی رسوائی ہے اور آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

مذکورہ حدیث اور اسکی ہم معنی دیگر احادیث جن میں یہ مذکور ہے کہ حدود کفارہ ہیں، ہمارے نزدیک انکی توضیح یہ ہے کہ یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا، چوں کہ حدود کا نفاذ توبہ کا سبب ہے اور جہاں حدود ہوں وہاں عموماً توبہ ہوتی ہے تو معنی یہ ہوا کہ حدود اور توبہ گناہوں کے لیے کفارہ ہیں نہ کہ محض حدود۔

احکام الحدیث:

1۔بیعت اسلام یا بیعت برکت وغیرہ لینا جائز ہے اور جس سے جو عہد (موافق شرع) کیا جائے اسے پورا کرنا لازم ہے۔

2۔اعمال تبھی سود مند ہیں جبکہ ایمان ہو، ایمان کے سوا عمل کسی کام کا نہیں، اسی وجہ سے سب سے پہلے شرک سے منع کیا۔

3۔ کسی کا حق مارنا، چوری کرنا، زنا کرنا، بہتان لگانا وغیرہ یہ سب برے اعمال ہیں، ان سے بچنا ضروری ہے۔

4۔فکر معاش کے سبب اولاد کو قتل کر دینا حرام ہے، بلکہ ذات خدا پر توکل و بھروسہ رکھنا چاہیے کہ وہ بہترین رزق عطا فرمانے والا ہے۔

5۔اچھی بات کی پیروی کرنی چاہیے۔

6۔ عمل کرنا بندے کا کام ہے اس کا اجر دینا رب تعالی کے ذمے ہے۔

7۔حاکم اسلام کو چاہیے کہ وہ مرتکب کبائر پر حد نافذ کرے، البتہ حکام کے سوا حدود کا نفاذ کسی عامی کے اختیار میں نہیں۔

8۔جس کے عیب مخفی ہوں، اس کے عیبوں کا پردہ ہی رکھنا چاہیے۔

9۔گناہگار کو اللہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے۔

زکوٰۃ، اسلام کا ایک اہم ترین مالی فریضہ

از: مولانا حافظ افتخار احمد قادری

زکوٰۃ اسلام کا ایک اہم ترین مالی فریضہ ہے جس کی فرضیت کتاب و سنت سے ثابت ہے، مذہب اسلام کا نظامِ زکوٰۃ اجتماعی عدل وانصاف اور باہمی امداد واعانت کا بہترین آئینہ دار ہے اس کے اندر سماج کے بہت سے معاشی اور اقتصادی مسائل و مشکلات کا حل بھی موجود ہے اس کے نفاذ سے ایک ایسے پاکیزہ اور صاف ستھرے معاشرہ و سوسائٹی کی تشکیل کی جاسکتی ہے جس میں امیر و غریب اہل صنعت و حرفت، مزدور پیشہ، تجارتی کاروبار والے اور ہر طبقہ کے لوگ ایک دوسرے سے شیر و شکر ہو کر زندگی گذارتے نظر آئیں گے۔

اسلامی نظامِ زکوٰۃ کے ذریعہ مال ودولت کی صحیح تقسیم عدل وانصاف پر ہوتی ہے، اس میں نہ تو فقراو مساکین کا استحصال اور ان کے حقوق کی پامالی ہوتی ہے نہ ہی مالداروں اور امیروں پر جبر واکراہ اور ظلم و ستم ہوتا ہے، نظام زکوٰۃ کے ذریعہ معاشرہ حرص ودولت، بخل اور خود غرضی و مطلب پرستی جیسے غیر اخلاقی جذبات سے پاک وصاف رہتا ہے۔

قرآن مجید کی نگاہ میں مسلمانوں کے لیے صحیح روشنی یہ ہے کہ وہ اپنی ذات اور متعلقین پر جائز حقوق و حدود میں رہ کر میانہ روی کے ساتھ اپنی دولت کو خرچ کریں اور جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہو اسے راہ خدا میں خرچ کریں تاکہ دولت مند حضرات غریبوں کے ہمدرد بن کر رہیں اور معاشی طور پر غریب لوگ اس پوزیشن میں آجائیں کہ وہ بھی غیرت وخودداری کی زندگی بسر کرسکیں۔

اسلامی نظامِ زکوٰۃ کی گہرائی میں اتریئے اور اس کے پس منظر، پیش منظر، کا بغور مطالعہ کیجیے تو یقیناً آپ برملا اس بات کا اعتراف کرتے نظر آئیں گے کہ مذہبِ اسلام نے انسانی فلاح و بہبود کا جو نقشہ تیار کیا ہے اور معاشی مسائل سے لے کر قلوب و اذہان کی تطہیر، تزکیہ نفس تک کا جو خاکہ امت مسلمہ کے سامنے پیش کیا ہے اور ایک باعزت و باوقار زندگی گزارنے کی جو اسکیمیں بنائیں اس جیسا نقشہ اور خاکہ دنیا کا کوئی مذہب و رہنما ہرگز ہرگز پیش نہیں کر سکتا ہے۔

مذہبِ اسلام زکوٰۃ کا سسٹم لاگو کرنے سے پہلے انسانی ذہن کی اصلاح کرتا ہے دل و دماغ میں یہ بات بٹھاتا ہے کہ تمہارے پاس جو مال ہے وہ سب اللہ رب العزت کا عطیہ ہے اور اس کا خصوصی فضل و کرم ہے صرف اپنی محنت و مشقت اور عقل سے دولت نہیں ملتی ورنہ دنیا میں کوئی عقل مند اور توانا و تندرست آدمی غریب نہیں رہ جاتا اسی طرح اسے یہ بھی یقین دلاتا ہے کہ تم جو کچھ بھی راہ خدا میں خرچ کرو گے تمہیں اس کا بدلہ آخرت میں ضرور ملے گا۔

اس سے بہتر ملے گا اور خدا کے بینک میں اگر صحیح طریقہ اور وقت پر قسطیں ادا کرتے رہے تو اس بینک سے تمہیں ستر گنا ملے گا بلکہ اس سے بھی زیادہ یوں ہی ہر سرمایہ دار پر زکوٰۃ لازم بھی نہیں کرتا بلکہ اس کا ایک مخصوص نصاب مقرر کرتا ہے اور اس میں ایک معمولی رقم نکالنے کا حکم دیتا ہے ساتھ ہی ساتھ زکوٰۃ لینے کے بھی اصول متعین کرتا ہے اور ان لوگوں کی باقاعدہ لسٹ شائع کرتا ہے جو زکوٰۃ لینے کا قانونی حق رکھتے ہیں۔

ایک طرف تو مالداروں کو زکوٰۃ دینے کا پابند کرتا ہے دینے پر فضائل اور نہ دینے پر تادیبی کارروائی اور تہدیدی احکام سنا کر دلوں سے مال و دولت کی محبت کم کرتا ہے اور دوسری جانب زکوٰۃ کو مال کا میل کچیل کہہ کر حاجت مندوں کی غیرت و حمیت کو بیدار کرتا ہے کہ آج تو تم نے ضرورت و مجبوری کے تحت زکوٰۃ قبول کر لی لیکن یہ جان لو! کہ جو کچھ تم لے رہے ہو لوگوں کے مالوں کا میل کچیل ہے آئندہ تمہاری شرافت کو قطعاً یہ زیب نہیں

دے گا کہ تم اس زکوٰۃ ہی کے انتظار میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہو اور معاشی اعتبار سے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش نہ کرو، نہیں بلکہ تم بھی ایک باعزت انسان ہو تم صلاحیتوں سے لیس ہو، پروردگارِ عالم نے تمہیں تمام خوبیوں سے نوازا ہے تم کو صحیح و سالم اعضا دے کر پیدا کیا لہٰذا تم بھی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر خود اس لائق بننے کی کوشش کرو کہ دوسروں کو زکوٰۃ دے سکو، یہ ہے مذہبِ اسلام کے نظامِ زکوٰۃ کا بنیادی خاکہ جو اپنے اندر تمام تر خوبیوں اور اچھائیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

زکوٰۃ کے لغوی معنیٰ پاکیزگی اور بڑھوتری کے آتے ہیں، شریعت کی اصطلاح میں مال کے اس مخصوص حصہ کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ رب العزت نے مال داروں پر چند شرطوں کے ساتھ واجب کیا ہے اور انہیں حکم دیا کہ وہ مال مخصوص قسم کے لوگوں کو بغیر کسی معاوضہ و بدلہ کے اس کا مالک بنا دیں، زکوٰۃ دنیوی کاروبار اور انکم ٹیکس کی طرح کوئی ٹیکس اور بزنس نہیں ہے بلکہ وہ صرف اور صرف انسانوں کی صلاح و فلاح اور معاشی و اقتصادی بحران کے خاتمہ اور باہمی امداد و اعانت کا ایک مکمل نقشہ ہے جس سے معاشرے میں اجتماعیت و اتحاد کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

ایک طرف دولت مند حضرات حرص و بخل اور حسد جیسی برائیوں سے محفوظ رہ کر اس بات کو خدا کا احساس اور اپنی مغفرت کا سامان جانیں گے کہ ان کو کسی غریب کی ضرورتیں پوری کرنے کی سعادت نصیب ہوئی اور پروردگارِ عالم نے انہیں اپنے دین کی خدمت کا اہل بنایا اور دوسری طرف غربا کے دلوں میں ان محسنوں کی محبت اور ان کے لیے جذبہ تعاون پیدا ہوگا اور معاشرہ طبقاتی کشمکش سے محفوظ رہے گا۔

اللہ رب العزت نے ہجرت کے دوسرے سال اہل اسلام پر زکوٰۃ کی فرضیت کا حکم نافذ فرمایا اور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلَّم نے بے شمار حدیثوں میں زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسائلِ زکوٰۃ سے تفصیل اور شرح وبسط کے ساتھ قرن اول سے لے کر آج تک کتب فقہ و تفسیر بھری پڑی ہیں اور اس کے تمام گوشوں کو فقہائے اسلام نے واضح فرمایا ہے کہ مذہبِ اسلام ہر طرح کے مال میں زکوٰۃ واجب نہیں کرتا بلکہ واجب

ہونے کے لیے کچھ شرطیں مقرر کرتا ہے مختصراً ان شرائط کا بھی تذکرہ بہتر ہوگا اس لیے ہم ان کو ذکر کرتے ہیں۔

ملک تام: وجوب زکوٰۃ کی شرطوں میں سب سے اہم اور بنیادی شرط ملک تام ہے یعنی اِسلام ہر اس مال پر حکم زکوٰۃ نافذ کرتا ہے جو کسی مسلمان کے پاس موجود ہو بلکہ صرف اور صرف اس مال پر ہی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جس پر اس کی مکمل ملکیت حاصل ہو، رہ گیا وہ مال جس پر ملکیت تامہ حاصل نہ ہو تو ایسے مال پر زکوٰۃ نہیں ہے، ملکیت اور ملکیت تامہ یہ دو الگ الگ مفہوم ہیں چنانچہ

ملکیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ انسان کے پاس جو مال ہو اس میں اسے تصرف کرنے کا اور اس سے فائدہ اٹھانے کا حق ہو اور ملکیت تامہ کا معنٰی فقہاے کرام کے ارشادات کی روشنی میں یہ ہے کہ انسان کو اس مال پر حق تصرف کے ساتھ قبضہ اور اختیار بھی پوری طرح سے حاصل ہو اور اس میں تصرف کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو، اسی مطلب کے پیشِ نظر فقہاے کرام نے فرمایاہے:

جو مال گم ہو گیا ہو تو اگر وہ گمشدہ مال اسی شخص کی ملکیت میں رہتا ہے جس کی ملکیت میں وہ گم ہونے سے پہلے تھا تاہم اس مال پر زکوٰۃ اس لیے واجب نہیں ہے کہ اس شخص کے قبضے میں نہیں ہے۔ البتہ یہ بات قابلِ غور ہے کہ اثر وجوب زکوٰۃ کے لیے ملک تام کس حکمت پر مبنی ہے۔

ملکیت سے آدمی کی قائدانہ حیثیت اور سرداری کی پوزیشن میں رہنے کا پتہ چلتا ہے اور ملک تام کے ذریعے انسان اپنے مال سے بے روک ٹوک فائدہ اٹھاتا ہے اور خود اپنے معاندین و نائبین توسل سے مال کی افزائش اور اس کے بڑھانے اور دونا کرنے پر قادر ہوتا ہے ایسی عظیم نعمت پانے کے سبب انسانیت کا یہی تقاضہ ہے کہ جس نے یہ نعمت عظمٰی بخشی ہے اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے۔

وجوب زکوٰۃ کی دوسری شرط "مال نامی ہونا" ہے۔ مال غیر نامی میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے لفظ نامی نماء سے بنا ہے جس کا لغوی معنٰی زیادتی افزائش اور اضافہ کے آتے ہیں۔ مگر شریعت کی زبان میں نامی اس مال کو کہتے ہیں جس میں حقیقتاً یا

حکماً افزائش کی صلاحیت ہو اور صاحبِ مال کو اس سے نفع اور زیادتی حاصل ہو سکے خواہ اس مال میں توالد و تناسل کی صلاحیت ہو اور وہ اپنی اسی صلاحیت سے نفع بخش ہو پھر تجارت اور بزنس آدمی کو فائدہ پہچانے کی قابلیت رکھتا ہو زکوٰۃ صرف ایسے ہی مال میں واجب ہے۔

اِسلام نے وجوب زکوٰۃ کے لیے نامی کی شرط کیوں رکھی؟ اِسلام نے امت مسلمہ کے سامنے نظامِ زکوٰۃ اس لیے پیش کیا ہے کہ پروردگارِ عالم نے جس خوش نصیب انسان کو صاحب دولت و ثروت بنایا ہے اور جسے مال جیسی نعمت سے سرفراز کیا ہے وہ اپنے مال کا کچھ حصہ نکال کر غربا و مساکین کو دے تاکہ ان کی غم خواری ہو اور معاشرہ میں اخوت و بھائی چارگی اور ہمدردی کا مظاہرہ ہو اور معاشی و اقتصادی بحران کا سد باب ہو اسی لیے زکوٰۃ میں اتنا مال نہ دیا جائے جس سے دینے والا خود فقیر ہو جائے۔

اب اگر ایسے مال میں زکوٰۃ واجب قرار دی جائے جس میں نمو کی صلاحیت مفقود ہو اور جو مزید نفع بخش نہ بن سکتا ہو تو کوئی عجیب نہیں ہے کہ زکوٰۃ دینے والا ایک دن خود ہی فقیر ہو جائے اور یہ بات اسلامی روح کے بالکل منافی ہے اور منشاے اسلام سے بہت دور ہے کہ آدمی اپنے ہاتھوں اپنی گداگری کا سامان مہیا کرے اور دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جائے اس لیے زکوٰۃ کا وجوب صرف اموال نامیہ میں ہی ہوتا ہے۔

اِسلام نے وجوب زکوٰۃ کے لیے حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا بھی شرط قرار دیا ہے جو اموال انسانی حاجات و ضروریات میں مشغول ہوں ان میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی البتہ اس سلسلے میں ہمیں یہ معلوم کرنا ہے کہ آخر اِسلام نے حاجت اصلیہ کا معیار کیا رکھا ہے اور حاجت اصلیہ سے اس کی کیا مراد ہے؟ فقہاے کرام نے مختلف انداز اور الفاظ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے مگر حاجت اصلیہ کا بہترین مطلب علامہ شامی نے جو ذکر کیا ہے وہ یہ ہے:

حاجت اصلیہ ہر ایسی صورت کو کہتے ہیں جو انسان کو ہلاکت و بربادی سے محفوظ رکھے جیسے کھانا، کپڑا، مکان، جنگی اسلحے یہ ایسی ضرورتیں ہیں جو بہر حال انسان کے لیے ضروری ہیں جن کے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے اسی طرح کارخانوں کی مشینیں صنعت و حرفت کے آلات جن کے بغیر انسان کا

سارا کاروبار معطل ہو سکتا ہے، مکان میں سونے، کھانے پینے آرام کرنے کے ضروری سامان کہ ان کے بغیر انسان کے پاس مال موجود ہو مگر وہ ان تمام ضرورتوں اور حاجتوں میں مشغول ہو تو ان کا ہونا اور نہ ہونا وجوب زکوٰۃ کے مسئلہ میں برابر ہے، زیورات چونکہ زیب وزینت اور آلائش و زیبائش کے لیے تیار کیے جاتے ہیں اور یہ ان کے فاضل ہونے کی دلیل ہے۔

لٰہذا وہ حاجت اصلیہ کے دائرے سے باہر ہیں اور مقدار کو پہنچنے کی صورت میں ان میں بھی زکوٰۃ واجب ہوگی، شریعتِ مطہرہ نے حاجت اصلیہ کی شرط اس حکمتِ بالغہ کے پیشِ نظر رکھی ہے کہ زکوٰۃ چونکہ ایک عبادت ہے اور عبادت کے لیے طبیعت کی رغبت اور خوشی کے ساتھ اس کی ادائیگی کے لیے تیار ہونا ضروری ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتی ہے جب انسان کو اس کی ضرورت زندگی سے بچے ہوئے مال کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا جائے اگر ایسے اموال میں زکوٰۃ کا حکم لگا دیا جائے جو انسان کی بنیادی ضرورتوں میں پھنسے ہوئے ہیں تو وہ طوعاً و کرہاً تو زکوٰۃ نکالنے پر تیار ہو جائے گا مگر وہ رغبت و مسرت اور طبیعت خاطر نہیں پیدا ہو سکے گی جو عبادتوں کی اصلی اسپرٹ اور روحانی تسکین کا سامان ہے۔

وجوب زکوٰۃ کی ایک شرط مال کا دین سے محفوظ ہونا ہے یعنی اگر کسی شخص کے پاس ڈھیروں مال ہے مگر اس کے ذمہ ایسا قرض ہے کہ بندوں کی طرف سے اس کا مطالبہ ہوتا ہے یا ہو سکتا ہے، تو اِسلام اس مال سے زکوٰۃ دینے کا حکم نافذ نہیں کرتا کیونکہ یہ مال اب گویا اس کی حاجت اصلیہ کا ایک حصہ ہے اور وجوب زکوٰۃ کے لیے حاجت اصلیہ سے فارغ ہونا لازم ہے۔

پروردگارِ عالم کی رحمت کاملہ کا یہ کتنا انوکھا باب ہے کہ اگر کسی کے ذمہ حقوق العباد ہو تو اسے یہ پسند نہیں کہ بندے کا حق مؤخر کیا جائے اور میری راہ میں خرچ کیا جائے، وہ فرما رہا ہے کہ میں اب اپنا حق ساقط کئے دیتا ہوں مگر ایک بندے کا دوسرے پر جو مالی حق ہے اسے ضرور ادا کرو۔

یہ وہ شرائط ہیں جو وجوب زکوٰۃ کے مسئلہ میں بنیادی حیثیت کی حامل ہیں ان میں کسی ایک بھی شرط کا معدوم ہو جانا وجوب زکوٰۃ کو ساقط کر دیتا ہے اور تمام شرطوں کے موجود ہونے پر زکوٰۃ بہرحال

واجب ہو جاتی ہے اور کسی شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور پھر بھی وہ ادا نہ کرے تو اس کے لیے قرآن وسنت میں ایسے سنگین خطرات سے دوچار ہونے کی خبر دی گئی ہے کہ جس کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور کلیجہ دہل جاتا ہے اور ایک صاحب ایمان پر جو کیفیت طاری ہو جاتی ہے اس کا احساس صرف خوف خدا رکھنے والے ہی کر سکتے ہیں۔

عبرت کے لیے چند احادیث ملاحظہ فرمائیں جو ان اربابِ مال و دولت اور اغنیا کے لیے یقیناً باعثِ نصیحت ہیں جو مال و دولت کے نشے میں اس حکم الٰہی کو پامال کرنے ہی میں فخر محسوس کرتے ہیں:

حضورِ اقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: زکوٰۃ کا مال جس مال میں ملا ہو گا اسے تباہ و برباد کر دے گا، ایک دوسری جگہ حضورِ اقدس صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں: خشکی و تری میں جو مال تلف ہوتا ہے وہ زکوٰۃ نہ دینے سے ہی ہوتا ہے، ایک اور مقام پر سرکارِ دوعالم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم ارشاد فرماتے ہیں:

جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ نہ دے گا وہ مال روز قیامت گنجے اژدھا کی شکل بنے گا اور اس کے گلے میں طوق ہو کر پڑے گا۔ اسی طرح ایک اور عبرت انگیز حدیث ہے، وہ اژدھا منہ کھول کر اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا اس سے کہا جائے گا لے اپنا وہ خزانہ کہ جس کو چھپا کر رکھتا تھا کہ میں اس سے غنی ہوں جب دیکھے گا کہ اس اژدھا سے کوئی مفر نہیں ناچار اپنا ہاتھ اس کے منہ میں دے گا وہ ایسا چبائے گا جیسے نر اونٹ چباتا ہے، نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: وہ اژدھا اس پر دوڑے گا یہ پوچھے گا تو کون ہے؟

اژدھا کہے گا میں تیرا وہ زکاتی مال ہوں جس کو چھوڑ کر تو مرا تھا، جب یہ دیکھے گا کہ وہ پیچھا ہی کیے جا رہا ہے تو اس کے منہ میں ہاتھ دے دے گا وہ چبائے گا پھر اس کا سارا بدن چبا ڈالے گا۔ اللہ رب العزت مسلمانوں کو ان ہولناک مناظر سے محفوظ رکھے اور ان کو صحیح طور سے زکوٰۃ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین

رمضان کیسے گزاریں؟

از: اُمّ فاطمہ بنت یاسین قادریہ

ارکان اسلام پانچ ہیں جن کا ذکر اکثر کتب احادیث میں ہمیں ملتا ہے اور وہ یہ ہیں: کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ، حج۔

ان ارکان پر ایمان اور عمل ایک مومن کے مومن ہونے کی نشانی ہے توحید و رسالت ہر حالت میں ماننا ضروری ہے ماسوائے اسکے ایمان مکمل نہیں ہو سکتا۔

نماز قائم کرنا ہر مؤمن پر لازم ہے زکوۃ و حج کی ادائیگی ہر صاحب استطاعت پر لازم ہے اور رمضان المبارک کے روزے ہر مسلمان عاقل و بالغ پر فرض ہیں۔

روزے 10 شعبان المعظم 02 ھ کو فرض ہوئے۔(در مختار و رد المختار، ج3، ص383)

انبیاء اکرام کی روزوں سے محبت:

(1) حضرت آدم صَفِیُّ اللہ علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام نے چاند کی 13، 15، 14 تاریخ کے روزے رکھے۔(کنز العُمّال، ج8، ص258، حدیث:24188)

(2) صَامَ نُوْحٌ الدَّهْرَ اِلَّا یَوْمَ الْفِطْرِ وَیَوْمَ الْاَضْحٰی یعنی حضرتِ نوح نَجِیُّ اللہ علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔(ابن ماجہ، ج2، ص333، حدیث:1714)

(3) حضرتِ داود علی نبینا و علیہ الصلوۃ والسلام ایک دن چھوڑ کر ایک دن روزہ رکھتے تھے۔(مسلم، ص584، حدیث:1159)

(4) حضرتِ سلیمان علی نبینا و علیہ الصلوۃ و السلام تین دن مہینے کے شروع میں، تین دن درمیان میں اور تین دن آخر میں (یعنی اس ترتیب سے مہینے میں 9 دن) روزہ رکھا کرتے تھے۔

(5) اور حضرت عیسیٰ روحُ اللہ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام ہمیشہ روزہ رکھتے تھے کبھی نہ چھوڑتے تھے۔(ابنِ عساکر، ج24، ص48)

ان سب روایات سے روزے کی اہمیت معلوم ہوتی ہے کہ روزہ کس قدر فضلیت والا عمل ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام نے اس عبادت کی کثرت کی ہے۔

ماہ رمضان روحانی تربیت کا ذریعہ:

ماہ رمضان دراصل ایک روحانی تربیت کا مہینا ہے۔ جس سے انسان تمام خصائل حمیدہ سے آراستہ ہو جاتا ہے جو شجرے تقوی کے برگ وبار کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ روزہ کی فرضیت کا بنیادی مقصد ہی شجرہ تقوی کی آب یاری ہے۔ قرآن عظیم کا ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمۂ کنز الایمان: اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے اگلوں پر فرض ہوئے تھے کہ کہیں تمہیں پرہیز گاری ملے۔

(سورہ بقرہ: پ2 آیت(183)

رمضان کے پانچ حروف:

بزرگان دین علیہم الرحمۃ والرضوان نے فرمایا کہ رمضان میں پانچ حروف ہیں۔ (ر) سے رضائے الہی (م) سے مغفرت الہی (ض) سے ضمانت الہی (الف) سے الفت الہی (ن) سے نوال وعطائے الہی مراد ہے۔

گویا جس نے رمضان المبارک میں عبادت کی وہ ان ساری چیزوں کا حقدار ہے۔

(نزہۃ المجالس، ج1، ص581)

روزہ امت محمدیہ سے پہلے بھی تمام انبیائے کرام کی امتوں پر فرض تھا اس لیے کہ روحانی اور اخلاقی تربیت کے لیے روزہ ضروری ہے۔

اللہ پاک کی طرف سے ارتقائے روحانی کیلئے ماہ رمضان عطا کیا گیا تا کہ امت مسلمہ اس ماہ مبارک میں روزہ رکھ کر زندگی بھر رہبانیت(ترک دنیا اور ترک لذات و نوازع) کے زریعے روحانی منازل طے کرنے والوں سے زیادہ بلند روحانی مقام حاصل کرے، یہی وجہ ہے کہ قرآن عظیم نے لیلتہ القدر کو ہزار مہینے کی راتوں. سے افضل قرار دیا۔ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا فرمان گرامی ہے کہ

اس ماہ کا اول رحمت، وسط مغفرت اور آخری حصہ جہنم سے آزادی ہے

روزے کے تین درجے:

صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالی کے نزدیک روزے کے تین درجے ہیں: (1) عوام کا روزہ (2) خواص کا روزہ (3) اخص الخواص کا روزہ۔

(1) عوام کا روزہ روزہ کے لغوی معنی ہیں رُکنا۔ لہذا شریعت کی اصطلاح میں صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک قصداً کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کو روزہ کہتے ہیں اور یہی عوام یعنی عام لوگوں کا روزہ ہے۔

(2) خواص کا روزہ کھانے پینے اور جماع سے رکے رہنے کے ساتھ ساتھ جسم کے تمام اعضاء کو برائیوں سے روکنا خواص یعنی خاص لوگوں کا روزہ ہے۔

(3) اخص الخواص کا روازہ اپنے آپ کو تمام تر امور سے روک کر صرف اور صرف اللہ عزوجل کی طرف متوجہ کرنا، یہ اخص الخواص یعنی خاص الخاص لوگوں کا روزہ ہے۔ (فیضان سنت، ص965)

روزے کے آداب:

روزے کے (6) چھ آداب امام غزالی رحمہ اللہ تعالی علیہ نے احیاء العلوم میں ذکر کئے ہیں:

اول:

نگاہ کی حفاظت کہ کسی بے محل جگہ پر نہ پڑے، روزہ دار کو چاہئے کہ جو چیزیں مکروہ ہیں ان سے جو چیزیں خدا کی یاد سے غافل کر دیں ان کو نہ دیکھے۔ حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے فرمایا، نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک زہر میں بجھا ہوا تیر ہے جو خدا تعالی کے خوف سے اس کو ترک کر دے گا خدا تعالی اس کو ایسا ایمان عنایت فرمائے گا جس کی حلاوت وہ اپنے دل میں محسوس کرے گا۔

دوم:

زبان کی حفاظت ہے یعنی روزہ دار جھوٹ، غیبت، چغلی، لغو بکواس، بد گوئی، سب و شتم، بد کلامی اور جھگڑے وغیرہ سے بچتا رہے بلکہ زبان سے کوئی فحش بات یا جہالت کی بات مثلاً تمسخر وغیرہ بھی نہ کرے۔ اپنی زبان کو ذکر الہی، تلاوت قرآن اور درود شریف پڑھنے میں مصروف رکھے۔ حضرت سفیان ثوری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں

کہ دو چیزیں روزے کی مفسد ہیں جھوٹ اور غیبت، اگر کوئی جھگڑا کرے تو یہ روزہ دار کہہ دے کہ میں روزہ دار ہوں۔

سوم:

کان کی حفاظت کرے اور بری باتوں کے سننے سے کانوں کو باز رکھے اسلئے کہ جن بری باتوں کا زبان سے ادا کرنا حرام ہے۔ ان کا سننا بھی حرام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ عزوجل نے سننے والوں اور حرام خوروں کا ذکر ایک ساتھ فرمایا۔ ارشاد ہوتا ہے

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ

ترجمہ کنز الایمان: بڑے جھوٹ سننے والے بڑے حرام خور۔ (پارہ 7، المائدۃ:32)

اور حدیث شریف میں ہے:

غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر کے گناہ میں شریک ہیں۔ لہذا روزہ دار کو چاہئے کہ کسی کی چغلی اور برائی نہ کرے فلمی گانوں اور غزلوں کے سننے سے پرہیز کرے کیونکہ یہ شیطانی آوازیں ہیں ان آوازوں سے اللہ عزوجل اور اس کے محبوب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔

ہاتھ پاؤں اور دیگر اعضاء سے کوئی برا کام نہ کرے، ہاتھ سے کسی ناجائز چیز کو نہ پکڑے، کسی کو ایذاء نہ دے پاؤں سے چل کر کسی بری جگہ نہ جائے ،افطار کے وقت پیٹ میں کوئی ایسی چیز نہ ڈالے جس کا تعلق حرام کی کمائی یا مشتبہ چیز سے ہو کیونکہ اگر حلال چیز سے روزہ رکھ کر حرام سے افطار کیا تو روزہ ناقص ہو جائے گا، جو شخص روزہ رکھ کر حرام مال سے افطار کرے اس کا حال اس شخص کا سا ہے جو مرض کیلئے دوا کرتا ہے مگر اس میں تھوڑا سا سنکھیا ملا لیتا ہے کہ اس مرض کیلئے دوا مفید ہو جائے مگر یہ زہر ساتھ ہی ہلاک بھی کر دے گا۔

ماہ رمضان روزہ دار کے اندر بہت سی روحانی اور اخلاقی خوبیوں کو پروان چڑھاتا ہے۔ مثلاً

(1) اللہ کا خوف ہر حالت میں روزہ دار کے دل پر طاری رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خلوت میں کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو حکم ربانی کے خلاف ہو۔

(2) روزہ دار کے اندر صبر اور برداشت نیز ضبط نفس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے وہ گالی یا دعوت مبارزت کے جواب میں صرف یہ کہتا ہے کہ میں روزہ دار ہوں اور گزر جاتا ہے۔

(3) اپنے اوقات کار کو مضبوط کرتا ہے، شب بیداری کی عادت پیدا ہوتی ہے، تہجد اور نوافل کا پابند ہو جاتا ہے، جماعت کا اہتمام کرتا ہے۔

(4) اس کے اندر اپنے احتساب کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے اور "حَاسِبُوا قَبْلَ أَنْ تُحَاسَبُوا" کی صفت سے متصف ہو جاتا ہے۔

(5) الصَّوْمُ جُنَّةٌ کے فرمان عالیشان کے مطابق وہ شیطان کے مقابلے کے لئے خود کو تیار کر لیتا ہے اور اس کو قدرت کی طرف سے ایک ڈھال مل جاتی ہے جو شیطان کے حملوں سے محفوظ رکھتی ہے۔

(6) اس کے لئے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابند سلاسل کر دیا جاتا ہے۔

(7) رمضان کی برکت سے اسے دو خوشیاں میسر آتی ہیں، ایک وقت افطار اور ایک زیارت پروردگار کے وقت۔

(8) اس ماہ مبارک میں روزہ دار کے نوافل فرض کا، فرض ستر فرضوں کا درجہ رکھتے ہیں۔

(9) اس ماہ مبارک میں روزہ دار کا دل نرم اور اخلاقی خوبیوں سے معمور ہوتا ہے۔ اس کے اندر جذبہ سخاوت پیدا ہوتا ہے اور دوسرے دنوں کے مقابلے میں زیادہ امور خیر میں حصہ لیتا ہے۔

(10) افطاری اور سحری کی برکتیں حاصل کرتا ہے۔

(11) روزہ اور قرآن کی شفاعت کا مستحق ہوتا ہے

(12) لیلۃ القدر کی برکتوں سے فیضیاب ہوتا ہے۔

(13) روزہ دار خود کو رمضان کے بعد بھی نفلی روزوں کے لئے آمادہ کر لیتا ہے۔

(14) روزہ دار جسمانی صحت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے۔

ماہ رمضان المبارک کی وجہ تسمیہ

رمضان "رمض" کا مصدر ہے رمض کے معنی ہیں "جلنا" مفسرین کرام نے رمضان کی چند وجوہ تسمیہ بیان کی ہیں

(1) روزہ گناہوں کو جلا دیتا ہے۔

2) جب اس ماہ کے نام کی باری آئی تو سخت گرمی تھی اس وجہ سے اس کا نام رمضان رکھا گیا

جیسا کہ ربیع الآخر اور ربیع الاول کے جب نام رکھے گئے اس وقت موسم بہار تھا۔

(3) رمضان اللہ تعالیٰ کا ایک نام ہے لہذا اس لحاظ سے اسے رمضان نہیں بلکہ "شہر" کی اس کی جانب اضافت کرکے شہر رمضان یعنی اللہ کا مہینا کہنا چاہیے جیسا کہ مروی ہے و لا تَقُولُوا جَاءَ رَمَضَانُ وَ ذَهَبَ رَمَضَانُ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا، رمضان گیا بلکہ یہ کہو کہ ماہ رمضان آیا، ماہ رمضان گیا۔ (روح البیان:ج2،ص104،105ملخصاً)

روزہ کی نیت:

کھانے پینے وغیرہ سے رک جانا کبھی کبھی عادتاً کبھی بھوک کے نہ ہونے کی بناء پر کبھی ریاضت کی بناء پر اور کبھی عبادت کے طور پر ہوتا ہے، اس لئے ضروری ٹھہرا کہ روزہ رکھتے وقت روزہ کی نیت کرلے تاکہ خالص عبادت متعین ہوجائے۔

نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں اگر کسی نے دل سے پکا ارادہ کرلیا کہ میں روزہ رکھ رہا ہوں تو اتنا کافی ہے لیکن زبان سے ان الفاظ کا دہرالینا بھی بہتر ہے۔ نَوَيْتُ أَنْ أَصُومَ غَدًا لِلّٰهِ تَعَالَى مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ هٰذَا میں نے یہ ارادہ کیا کہ کل روزہ رکھوں اللہ تعالیٰ کے لئے اس رمضان المبارک کا۔

روزہ کے باطنی آداب:

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! روزہ کے ظاہری آداب تو یہی ہیں کہ صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے رک جائیں لیکن روزہ کے کچھ باطنی آداب بھی ہیں جن کا لحاظ اشد ضروری ہے۔ وہ یہ کہ جسم کے تمام اعضا کو خلاف شرع باتوں کے ارتکاب سے بچایا جائے جبھی ہم صحیح معنوں میں روزہ کے فوائد سے بہرہ ور ہوسکتے ہیں اور فرمانِ باری تعالیٰ " لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" کے مژدہ جانفزا سے شاد کام ہوسکتے ہیں۔ لہذا جسم کے اعضا کے روزے کی تفصیل ملاحظہ کریں اور عمل کی کوشش کریں۔

جھوٹ سے بچیں:

جھوٹ ایک ایسا گناہ ہے کہ اسلام ہی نہیں بلکہ دنیا کے سارے باطل مذاہب کی نظر میں بھی اسے گناہ تصور کیا جاتا ہے۔ ویسے تو ہمیں ہر حال میں جھوٹ سے پرہیز اور گریز کرنا چاہئے لیکن خصوصی

طور پر ماہ رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں ہمیں جھوٹ سے بچنا چاہئے کیوں کہ اگر ہم روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولتے ہیں تو گویا ہم نے روزہ کے مقصد کو فراموش کر دیا۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّورِ وَ الْعَمَلَ بِهِ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِي أَنْ يَدَعَ طَعَامَهُ وَ شَرَابَهُ

ترجمہ: جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل ترک نہ کرے تو اللہ کو کوئی ضرورت نہیں کہ وہ اپنے کھانے پینے کو چھوڑ دے۔

(بخاری شریف، ج۱، ص255)

نازیبا الفاظ بھی زبان سے ادا نہ ھوں:

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! بعض مالک اپنے نوکروں کو، افسر اپنے ماتحتوں کو، استاذ اپنے شاگردوں کو، ماں باپ اپنی اولاد کو، اولاد اپنے ماں باپ کو، بے تکلف دوست اپنے دوستوں کو خواہ مخواہ گالیاں دینے اور برا بھلا بر ملا کہنے کے عادی ہوتے ہیں حتیٰ کہ آج کے ماحول میں اسے برا تک تصور نہیں کیا جاتا، بعض نوجوانوں کا تکیہ کلام ہی گالی ہوتا ہے کہ ان کی ہر بات گالی گلوچ اور ناشائستہ الفاظ سے شروع ہوتی ہے۔ مگر یاد رکھو! ماہ رمضان المبارک ان چیزوں سے بھی ہمیں پاک کرنے کے لئے آتا ہے جس سے کسی مسلمان کو ادنیٰ درجہ کی بھی تکلیف ہو۔

ماہ رمضان المبارک میں روزے کی حالت میں ان چیزوں سے پرہیز کرنے کے کوشش کریں انشاء اللہ تعالی اس کی برکت سے ہمیشہ کے لئے اس قسم کے الفاظ سے بچنے کا جذبہ اور ذوق دل میں پیدا ہوگا۔

دوسرے کی تکالیف کا احساس اور آپس میں پیار اور محبت پیدا کرنا ہے۔ کالجوں، اسکولوں اور مدرسوں کے طلبہ اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے مزدوروں میں یہ وباء عام ہے کہ وہ ایک دوسرے کا خوب تمسخر اڑاتے ہیں۔ انہیں جاننا چاہئے کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہ روزہ کی روحانیت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو خلاف شرع کاموں سے بچائے۔ آمین ثمہ آمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کانوں کی حفاظت کریں:

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! یوں تو کانوں کو ہر حال میں بری

باتوں کو سننے سے بچانالازم ہے مگر روزہ کی حالت میں اس کی طرف خاص توجہ دینی چاہیئے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ جسم کے ہر عضو کا روزہ ہوتا ہے۔

اور کانوں کا روزہ یہ ہے کہ کان کو بُری اور فضول باتوں کے سننے سے بچایا جائے کیوں کہ بُری باتیں سننے کا دل پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے جس سے انسانی خیالات میں گناہوں کی طرف رغبت پیدا ہوتی ہے۔روزہ دار کے لئے ضروری ہے کہ غیبت، جھوٹی باتیں، لطیفے فلمی اسٹوریاں فلمی گانے اور فحش باتیں نہ سنے کیوں کہ شریعت میں جن باتوں کا کہنا جائز نہیں ان کا سننا بھی جائز نہیں ہے۔نعت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور قرآن مقدس کی تلاوت سنیں، اجتماعات میں حاضر ہو کر ذکر خدا اور سول عز وجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سنیں۔ انشاء اللہ دل کی دنیا روشن ہو گی اور روزہ کے روحانی فوائد حاصل ہوں گے۔

نگاہوں کی حفاظت:

جیسا کہ مذکور ہوا کہ اصل روزہ جسم کے ہر عضو کو گناہوں سے بچانا ہے، حالتِ روزہ میں ہمیں اپنی نگاہوں کی بھی حفاظت کرنی لازم ہے۔ اپنی آنکھوں کو غیر محرم عورتوں، ٹی وی، ناچ، گانا، فلم، عریاں تصویریں دیکھنے سے بچاناہو گا کیوں کہ ان چیزوں کو دیکھنے سے دل میں گناہ کا خیال پیدا ہوتا ہے اور وہ ہمارے روزہ کی روحانیت کو مردہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا مذکورہ بالا چیزوں سے اپنی نگاہوں کی حفاظت کریں اگر کچھ دیکھنا چاہیں تو قرآن مقدس کو دیکھیں، مقامات مقدسہ کی زیارت کریں، والدین کو محبت بھری نگاہ سے دیکھیں اور پڑھنا چاہیں تو قرآن مقدس اور دینی کتابیں پڑھیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوں گے۔

دل کی حفاظت:

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! روزہ کا تقاضا یہ بھی ہے کہ ہمارے دل میں ہر طرح کے گناہ سے بچنے کا جذبہ پیدا ہو۔انسان جو بھی گناہ کرتا ہے پہلے اس کا تصور اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ اسے کر گزرتا ہے۔اللہ کے پیارے حبیب صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا انسان کے بدن میں گوشت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے کہ اگر وہ صحیح ہو تو پورا بدن صحیح

رہے گا اور اگر وہ فاسد ہو جائے تو پورا بدن فاسد ہو جائے گا، اور وہ دل ہے لہٰذا ہمیں اپنے دل کو غلط خیالات اور برے وسوسوں سے بچانا چاہئے۔ اگر ہمارا دل ہمارے قابو میں آ گیا تو اوپر ذکر کردہ تمام گناہوں سے ہم اپنے آپ کو بچانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

مسائل روزہ

جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا:

مسئلہ: بھول کر کھایا، پیا، جماع کیا روزہ نہ ٹوٹا۔ خواہ روزہ فرض ہو یا نفل۔

مسئلہ: مکھی، دھواں، غبار، حلق میں جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، خواہ وہ غبار آٹے کا ہی کیوں نہ ہو جو چکی پیسنے سے اڑتا ہے۔

مسئلہ: تیل، سرمہ لگایا تو روزہ نہ ٹوٹا اگرچہ تیل یا سرمے کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو۔ بلکہ تھوک میں سرمہ کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہو تب بھی روزہ نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ: احتلام ہو جانے، یا ہم بستری کرنے کے بعد غسل نہ کیا اور اسی حالت میں پورا دن گزار دیا تو وہ نمازوں کے چھوڑ دینے کے سبب سخت گناہ گار تو ہو گا مگر روزہ ادا ہو جائے گا۔

مسئلہ: انجیکشن خواہ رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ روزہ اس چیز سے ٹوٹتا ہے جو جوف دماغ یا جوف معدہ تک پہنچے اور انجیکشن سے گوشت یا رگ میں جو دوا پہنچی وہ غیر منفذ سے ہے لہٰذا یہ مفسد صوم نہیں۔

مسئلہ: خون نکلوانے یا کہیں زخم ہو جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا ہے ہاں روزہ کی حالت میں خون نہیں نکلوانا چاہئے کہ روزہ کی حالت میں ایسا کام مکروہ ہے جس سے کمزوری آئے۔ رگ کے ذریعہ خون چڑھانے سے بھی روزہ نہ ٹوٹے گا۔

مسئلہ: منجن کرنا روزہ کی حالت میں مکروہ ہے بلکہ اگر اس کا کوئی ذرہ حلق سے نیچے چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

مسئلہ: بوسہ لیا مگر انزال نہ ہوا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ: عورت کی طرف بلکہ اس کی شرمگاہ کی طرف نظر کی مگر ہاتھ نہ لگایا اور انزال ہو گیا یا بار بار جماع کے خیال سے انزال ہو گیا تو روزہ نہیں ٹوٹا۔

مسئلہ: تل یا تل کے برابر کوئی چیز چبائی اور تھوک کے ساتھ حلق سے اتر گئی تو روزہ نہ ٹوٹا مگر اس چیز کا مزہ حلق میں محسوس ہوتا ہو تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

مسئلہ: حقہ، سگار، سگریٹ، پان، تمباکو، پینے کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ پان یا تمباکو کی پیک تھوک دی ہو۔ کیونکہ اس کے باریک اجزا ضرور حلق میں پہنچتے ہیں۔

مسئلہ: دوسرے کا تھوک نگل لیا یا اپنا ہی تھوک ہاتھ پر لے کر نگل لیا تو روزہ ٹوٹ گیا۔

مسئلہ: عورت کا بوسہ لیا، چھوا، یا مباشرت کی، یا گلے لگایا، اور انزال ہو گیا تو ان حالتوں میں روزہ ٹوٹ گیا۔

مسئلہ: قصداً منہ بھر قے کی اور روزہ دار ہونا یاد ہے تو روزہ ٹوٹ جائیگا اور اگر منھ بھر قے نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

مسئلہ: سوتے میں پانی پی لیا یا کچھ کھالیا، یا منھ کھولا تھا پانی کا قطرہ حلق میں چلا گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن صورتوں میں صرف قضا لازم ہے:

مسئلہ: یہ گمان تھا کہ ابھی صبح نہیں ہوئی اس لئے کھالیا یا پیا یا جماع کر لیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی تو قضا لازم ہے۔ یعنی اس روزے کے بدلے بعد رمضان ایک روزہ رکھنا پڑے گا۔

مسئلہ: مسافر نے اقامت کی، حیض و نفاس والی عورت پاک ہو گئی، مریض تھا اچھا ہو گیا، کافر تھا مسلمان ہو گیا، مجنون کو ہوش آگیا، نابالغ تھا بالغ ہو گیا ان سب صورتوں میں جو کچھ دن کا حصہ باقی رہ گیا ہو اسے روزہ کی مثل گزارنا واجب ہے۔

مسئلہ: حیض و نفاس والی عورت صبح صادق کے بعد پاک ہو گئی اگرچہ ضحوہ کبری سے پیش تر ہو اور روزہ کی نیت کر لی تو آج کا روزہ نہ ہوا نہ فرض نہ نفل اور مریض یا مسافر نے نیت کر لی یا مجنون تھا ہوش میں آکر نیت کر لی تو ان سب کا روزہ ہو گیا۔

مسئلہ: صبح سے پہلے یا بھول کر جماع میں مشغول تھا، صبح ہوتے ہی یاد آنے پر فوراً جدا ہو گیا تو کچھ نہیں۔ اور اسی حالت پر رہا تو قضا واجب، کفارہ نہیں۔

مسئلہ: میت کے روزے قضا ہو گئے تھے تو اس کا ولی اس کی طرف سے فدیہ ادا کرے یعنی جب کہ وصیت کی اور مال چھوڑا ہو ورنہ ولی پر ضروری نہیں کر دے تو بہتر ہے۔

مسئلہ: روزہ توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ ممکن ہو تو ایک رقبہ یعنی باندی یا غلام آزاد کرے اور یہ نہ کر سکے مثلاً اس کے پاس نہ لونڈی، غلام ہے نہ اتنا مال کہ خریدے یا مال تو ہے مگر رقبہ میسر نہیں جیسے آج کل یہاں پاک و ہند میں۔ تو اب وہ پے در پے (اکٹھے) ساٹھ (60) روزے رکھے۔

یہ بھی نہ کر سکے تو ساٹھ مساکین کو پیٹ بھر کر دونوں وقت کھانا کھلائے اور روزے کی صورت میں اگر درمیان میں ایک دن بھی چھوٹ گیا تو اب پھر دوبارہ سے ساٹھ روزے رکھے، پہلے والے روزے محسوب (شمار) نہ ہوں گے اگر چہ انسٹھ (59) رکھ چکا تھا اگر چہ بیماری وغیرہ کسی عذر کے سبب چھوٹا ہو مگر عورت کو حیض آجائے تو حیض کی وجہ سے جتنے ناغے ہوئے یہ ناغے نہیں شمار کئے جائیں گے، یعنی پہلے کے روزے اور حیض کے بعد والے دونوں مل کر ساٹھ ہو جانے سے کفارہ ادا ہو جائے گا۔(بہار شریعت)

مسئلہ: اگر دو روزے توڑے تو دونوں کے لئے دو کفارے دے۔ اگر چہ پہلے کا ابھی کفارہ ادا نہ کیا ہو یعنی جب کہ دونوں دو رمضان کے ہوں اور اگر دونوں روزے ایک ہی رمضان کے ہوں اور پہلے کا کفارہ ادا نہ کیا ہو تو ایک ہی کفارہ دونوں کے لئے کافی ہے۔(بہار شریعت)

جن صورتوں میں کفارہ بھی لازم ہے:

مسئلہ: جس جگہ روزہ توڑنے کا کفارہ لازم آتا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ رات ہی کو روزہ رمضان کی نیت کی ہو اگر دن میں نیت کی اور توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں۔

مسئلہ: کفارہ لازم ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ روزہ توڑنے کے بعد کوئی ایسا امر واقع نہ ہوا ہو جو روزہ کے منافی ہو یا بغیر اختیار ایسا امر نہ پایا گیا ہو جس کی وجہ سے روزہ افطار کرنے کی رخصت ہوتی۔ مثلاً عورت کو اسی دن حیض یا نفاس آگیا یا ہو روزہ توڑنے کے بعد اسی دن ایسا بیمار ہو گیا

جس میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے تو کفارہ ساقط ہو جائے گا۔

مسئلہ: سحری کا نوالہ منہ میں تھا کہ صبح طلوع ہو گئی یا بھول کر کھارہا تھانوالہ منہ میں تھا کہ یاد آ گیا اور نگل لیا دونوں صورت میں کفارہ واجب۔ اگر منہ سے نکال کر پھر کھایا ہو تو صرف قضا واجب ہو گی کفارہ نہیں۔

نوٹ: روزہ کے متعلق تفصیلی معلومات کے لئے بہار شریعت کا مطالعہ کریں۔

اعتکاف کا بیان

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! اللہ تبارک و تعالی نے انسانوں کو محض اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا جیسا کہ خود اس کا ارشاد ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: میں نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا فرمایا۔

عبادت کہتے ہی اللہ تبارک و تعالی کی بندگی کرنے اور اس کے احکام کے بجالانے کو۔

عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ ہم نماز پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، حج کرتے ہیں، عمرہ کرتے ہیں، زکوۃ وصدقات ادا کرتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مدارس اسلامیہ کی تعمیر، مسجدوں کی تعمیر اور اپنی جائز کمائی سے طالبان علوم دینیہ کا تعاون کرتے ہیں یہ ساری چیزیں عبادت میں شمار ہوتی ہیں اور ان کے علاوہ بھی عبادت کے بے شمار طریقے ہیں۔

ماہ رمضان المبارک میں جہاں ہمیں اور دیگر عبادتوں کا اہتمام کرنا ہے وہیں اس اعتکاف کرنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ ہم اعتکاف کے حوالے سے چند باتیں تحریر کر رہے ہیں تاکہ اس کے پڑھنے کے بعد دلوں میں اعتکاف کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔

اعتکاف کا لغوی اور شرعی معنیٰ:

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! اعتکاف کا لغوی معنی علامہ اصفہانی نے ”تعظیم کی نیت سے کسی چیز کے پاس ٹھہر نا“ بیان فرمایا ہے اور شریعت میں عبادت کی نیت سے مسجد میں ٹھہرنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم،220)

نبی کون ومکاں ﷺ کا معمول:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہما بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف فرماتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہمانے مجھے وہ جگہ دکھائی جہاں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اعتکاف کرتے تھے۔(ایضا،371)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان فرماتی ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْأَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتَّى تَوَفَّاهُ اللهُ

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری دس دن میں اعتکاف کیا کرتے تھے یہاں تک کہ رفیق اعلی سے جاملے۔

(بخاری،1/271)

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! مذکورہ بالا احادیث میں کَانَ یَعْتَکِفُ کا لفظ آیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اعتکاف پر مداومت اور استمرار پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بالاستمرار اعتکاف فرمایا کرتے تھے۔

اعتکاف کے ذریعہ شب قدر کی تلاش

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے رمضان کے پہلے عشرہ میں اعتکاف کیا پھر ترکی خیمہ کے اندر درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا پھر سر مبارک خیمہ سے نکال کر فرمایا میں نے اس رات کی تلاش میں پہلے عشرہ کا اعتکاف کیا پھر درمیانی عشرہ کا اعتکاف کیا پھر میرے پاس آنے والا آیا اور مجھے بتایا گیا کہ وہ رات آخری عشرہ میں ہے تو جس نے میرے ساتھ اعتکاف کیا وہ آخری عشرہ میں بھی اعتکاف کرے۔ مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی پھر بھلا دی گئی میں نے اس رات کی صبح اپنے آپ کو گیلی مٹی میں سجدہ کرتے دیکھا لہذا تم اسے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اس رات بارش ہوئی اور مسجد کی چھت

ٹپکنے لگی اور میری آنکھوں نے رسول کائنات صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو اکیسویں کی صبح کو دیکھا کہ آپ کی پیشانی پر گیلی مٹی کا اثر تھا۔(بخاری، 1/270)

اعتکاف کی فضیلت:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے معتکف کے بارے میں ارشاد فرمایا وہ گناہوں سے باز رہتا ہے اور نیکیوں سے اس کو اس قدر ثواب ملتا ہے جیسے اس نے تمام نیکیاں کیں۔

(ابن ماجہ)

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا جس نے رمضان میں دس دنوں کا اعتکاف کر لیا تو ایسا ہے جیسے دو حج اور دو عمرے کئے۔(بیہقی)

آقائے نعمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو شخص رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں خلوص کے ساتھ اعتکاف کرے اللہ عز وجل اس کے نامہ اعمال میں ہزار سال کی عبادت کا ثواب درج فرمائے گا اور اس کو قیامت کے دن اپنے عرش کے سائے میں جگہ عنایت فرمائے گا۔

اعتکاف کے اقسام

اعتکاف کی تین قسمیں ہیں۔(1)واجب(2) سنت مؤکدہ(3) نفل

اعتکاف واجب:

اعتکاف واجب نذر کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اول یہ کہ بندہ یہ نذر مانے کہ اللہ تعالی کی رضا کے لئے ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک ماہ اعتکاف کروں گا۔ دوم یہ کہ یہ نذر مانے کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو متعینہ ایام میں اعتکاف کروں گا۔ تو اس صورت میں اعتکاف واجب ہو جائے گا۔(کتب فقہ)

اعتکاف سنت مؤکدہ:

رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت مؤکدہ کفایہ ہے کہ اگر شہر کے ایک شخص نے بھی کر لیا تو سارے لوگ بری الذمہ ہو جائیں گے اور اگر کسی نے نہ کیا تو سب جواب دہی کے مستحق ہوں گے۔(بہار شریعت)

اعتکاف نفل:

مذکورہ بالا دو اقسام کے علاوہ اعتکاف کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ اعتکاف نفل ہیں۔

اعتکاف واجب، سنت مؤکدہ اور نفل میں فرق یہ ہے کہ اعتکاف واجب اور سنت مؤکدہ میں روزہ شرط ہے کہ بغیر روزہ کے یہ اعتکاف نہیں مانے جائیں گے مگر نفل اعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے بلکہ وہ ایک گھنٹہ دو گھنٹہ، ایک دن دو دن کا بھی ہوتا ہے۔ اسی لئے بہتر یہ ہے کہ جب کبھی مسجد میں داخل ہوں تو اعتکاف کی نیت کرلیں یا اپنی زبان سے ان الفاظ کو دہرائیں بِسْمِ اللّٰہِ دَخَلْتُ وَعَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَنَوَیْتُ سُنَّتَ الْاِعْتِکَافِ

اس کے بعد اگر مسجد میں بیٹھے بھی رہیں گے تو عبادت کا ثواب نامہ اعمال میں لکھا جاتا رہے گا۔

اعتکاف واجب اور سنت مؤکدہ میں بلا عذر مسجد سے نکلنے کی صورت میں اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے مگر اعتکاف نفل میں بلا عذر بھی مسجد سے نکل سکتے ہیں پھر جب دوبارہ مسجد میں داخل ہوں گے تو اعتکاف شروع ہو جائے گا۔

اعتکاف میں کئے جانے والے اعمال

میرے پیارے آقا صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پیارے دیوانو! ویسے تو ہم اعتکاف میں عبادت کا کوئی بھی کام کر سکتے ہیں مگر مندرجہ ذیل مخصوص اعمال کریں تو بہتر ہے۔

☆ نماز پنجگانہ کی باجماعت صف اول میں تکبیر اولی کے ساتھ پابندی کریں۔

☆ عمامہ شریف باندھ کر نماز پڑھیں۔

☆ روزانہ کم از کم ایک پارہ قرآن مقدس کی تلاوت کریں۔

☆ قرآن مقدس کا ترجمہ اور تفسیر کنز الایمان سے مطالعہ کریں۔

☆ مقررہ وقت میں علمائے اہل سنت کی چند مخصوص کتابوں کا مطالعہ کریں جن کے ذریعہ علم دین حاصل ہو۔ اگر ممکن ہو تو چند مخصوص لوگوں سے مقررہ اوقات میں پند ونصیحت کی باتیں کریں۔

☆ مخصوص وقت میں درود شریف کا ورد کریں۔

☆ رات میں نوافل کی کثرت کریں۔

☆ ہر کام سنت کے مطابق کریں۔

☆ نماز تہجد، اشراق، چاشت، اوابین وغیرہ نوافل پڑھیں۔

☆ قضا نمازیں ادا کریں۔

☆ توبہ واستغفار کریں۔

☆ اپنے لیے اور ساری امت مسلمہ کے فلاح وبہبود کی دعا کریں۔

☆ اپنی زندگی میں انقلاب پیدا ہونے اور ساری عمر عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں گزرنے اور موت کے وقت ایمان پر خاتمہ ہونے کی دعا کریں۔

ان شاء اللہ اعتکاف میں مذکورہ بالا اعمال کرنے کی برکت سے ہم نیکیوں کا ذخیرہ اپنے دامن میں اکٹھا کرلیں گے اور ہمیں عبادت میں لطف بھی آئے گا۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ ہمیں ان تمام اعمال کی توفیق عطا فرمائے۔

شب قدر کی فضیلت وعبادات:

یوں تو رمضان شریف کی ساری راتیں ہی بابرکت ہیں اور ہر رات رحمت الٰہی برستی ہے مگر اس ماہ مقدس کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں پوشیدہ لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر کی تو کیا ہی بات ہے یہ رات انتہائی برکت والی رات ہے۔

لیلۃ القدر نام رکھنے کی وجہ:

اس مبارک رات کو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں سال بھر کے احکام نافذ کئے جاتے ہیں اور فرشتوں کو سال بھر کے کاموں اور خدمات پر مامور کیا جاتا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس رات کی دیگر راتوں پر شرافت و قدر کے باعث اس کو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر کہتے ہیں اور یہ بھی منقول ہے کہ اس شب میں نیک اعمال مقبول ہوتے ہیں اور بارگاہ الٰہی میں ان کی قدر کی جاتی ہے اس لئے اس کو لَیۡلَۃُ الۡقَدۡر کہتے ہیں۔ (تفسیر خازن، پ 30 القدر، تحت الآیۃ: 1، 4/395 ملخصًا)

فضائل وبرکات:

اس رات کے بے شمار فضائل و برکات ہیں، چنانچہ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی رحمت صلّی اللہ علیہ والہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا: مَنۡ قَامَ لَیۡلَۃَ الۡقَدۡرِ إِیۡمَانًا وَاحۡتِسَابًا غُفِرَ لَہُ مَا تَقَدَّمَ من ذنبه

یعنی جو شب قدر میں ایمان و اخلاص کے ساتھ رات کو عبادت کرے اس کے سابقہ گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔ (مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین باب الترغیب فی قیام رمضان، الخ، ص298، حدیث: 1781)

شب قدر کے نوافل:

اے عاشقانِ رسول ہو سکے تو اس بابرکت رات کو پانے کے لئے بالخصوص ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں کو جاگ کر رب کریم کی عبادت کیجئے کیونکہ یہ بھلائیوں والی رات ہے، یہ رحمتوں والی رات ہے، یہ دُعاؤں کی قبولیت کی رات ہے، یہ بخشش کی رات ہے، اسی وجہ سے تو ہمارے پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اس رات کو پانے کے لئے آخری دس دنوں میں خوب عبادت کرتے، راتوں کو جاگتے اور اپنے اہل خانہ کو بھی جگایا کرتے۔

(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب فی فضل العشر الأواخر۔۔ الخ، 2/357، حدیث:1768)

ہمارے پیارے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم شب قدر میں نماز ادا فرماتے، قرآن کریم کی تلاوت، دُعا اور ذکر واذکار بھی فرماتے۔

(لطائف المعارف، ص235 ملتقطاً)

مولائے کائنات، امیر المؤمنین حضرت سیدنا علی المرتضیٰ شیر خدا کرَمَ اللہُ وَجْھَہُ الکَرِیم سے روایت ہے: جو جو شخص رمضان المبارک کی 27ویں شب دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد سورہ قدر ایک بار اور سورہ اخلاص 100 بار پڑھے اور جب نماز سے فارغ ہو جائے تو پھر 100 بار درود پاک پڑھے تو اس شخص کو بے شمار اجر و ثواب حاصل ہو گا۔(جواہر خمسہ، ص27)

حضرت سیدنا علامہ اسمعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ نقل کرتے ہیں: جو شب قدر میں خلوص نیت سے نوافل پڑھے گا، اُس کے اگلے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

(روح البیان، پ30، القدر، تحت الآیۃ: 3، 10/481)

لہٰذا اس رات کو ہرگز غفلت میں نہیں گزارنا چاہیے کیونکہ جو اس رات رحمت الٰہی سے محروم ہو گیا تو وہ بہت ہی بدنصیب ہے، چنانچہ ہمارے پیارے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: تمہارے پاس ایک مہینا آیا ہے جس میں ایک رات ایسی بھی ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے جو شخص اُس رات سے محروم رہ گیا گویا تمام بھلائی سے محروم رہ گیا اور اس کی بھلائی سے محروم نہیں رہتا مگر وہ شخص جو حقیقتاً محروم ہے۔(ابن ماجہ، کتاب الصیام، باب ماجاء فی فضل شہر رمضان، 2/298، حدیث:1644)

شب قدر کی دعا:

ام المؤمنین حضرت سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں: میں نے آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بار گاہ میں عرض کی: یارسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم! اگر مجھے شب قدر کا علم ہو جائے تو کیا پڑھوں؟ آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: اس طرح دُعا مانگو:

اللھمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي

ترجمہ: اے اللہ! بے شک تو معاف فرمانے والا، کرم فرمانے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، مجھے بھی معاف فرمادے۔ (ترمذی، کتاب الدعوات، باب ماجاء فی عقد التسبیح بالید، 5/306، حدیث: 3524)

بے سبب بخش دے نہ پوچھ عمل
نام غفار ہے ترا یارب

(ذوق نعت، ص84)

حضرت سیدنا امام شافعی رحمۃُ اللہِ علیہ (وفات: 204ھ) فرماتے ہیں: میں یہ چاہتا ہوں کہ لوگ لیلۃ القدر کے دن میں بھی رات کی طرح دلچسپی سے عبادت کریں اور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: لیلۃ القدر کا دن بھی رات کی طرح افضل ہے۔

(لطائف المعارف، ص235)

تارک السلطنت، مخدوم حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃُ اللہِ علیہ (وفات: 808ھ) کے ملفوظات میں ہے: 27 رمضان المبارک دن میں بارہ رکعت نماز ادا کرے اس کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور سورہ قدر ایک بار اور سورۂ اخلاص 7 بار پڑھے، جب نماز سے فارغ ہو جائے تو 3 بار کہے: لا الٰہَ إِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللہِ پھر 3 بار درود پاک بھیجے۔ تو اللہ پاک قیامت کے دن اس سے بے حساب عذاب دور فرمائے گا اور وہ انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السلام کے ساتھ جنت میں داخل ہو گا۔

(لطائف اشرفی، 2/235)

لہذا ہمیں چاہیے کہ ماہِ رمضان المبارک اور اس کی مخصوص راتوں بالخصوص رمضان المبارک کی 27 ویں شب عبادت کرنے کے ساتھ ساتھ ساری زندگی اللہ کریم کی اطاعت و عبادت میں بسر کریں تاکہ ہم بروزِ محشر اللہ کریم کی بار گاہ میں سرخرو ہو کر جہنم کے عذاب سے بچنے میں کامیاب ہو سکیں۔ اے اللہ! اپنے پیارے حبیب کے طفیل ہم گناہگاروں کو لَیْلَۃُ الْقَدْر کی برکتوں سے مالامال فرما اور زیادہ سے زیادہ اپنی عبادت کی توفیق مرحمت فرما۔

ماہِ رَمَضَان اور بزرگوں کے معمولات

ہم نے ماہ رمضان میں کی جانے والی عبادات اور ان کے فضائل و برکات ملاحظہ کیے، جس سے یقیناً ہمارے دل میں بھی رمضان شریف کو عبادت اور نیکیوں میں گزارنے کا جذبہ پیدا ہوا ہو گا، آیئے! اپنے دل میں مزید نیکیوں کا جذبہ پیدا کرنے لئے بزرگان دین کے معمولات ملاحظہ کرتے ہیں کہ وہ حضرات کس طرح رمضان المبارک کو نیکیوں میں گزارتے تھے، چنانچہ

بزرگانِ دین اور شوق تلاوت:

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃُ اللہِ علیہ رَمَضان المبارک اور عید الفطر میں 62 قرآن پاک ختم کرتے (ایک دن میں، ایک رات میں، ایک تراویح میں اور ایک عید کے روز)۔(الخیرات الحسان، ص50)

حضرت سیدنا اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ رمضان المبارک کی دو راتوں میں پورا قرآن پڑھتے اور صرف مغرب و عشا کے درمیان آرام فرماتے تھے اور رمضان المبارک کے علاوہ 6 راتوں میں ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ (الطبقات الکبری لابن سعد الاسود بن یزید 136/6، 137. بتغیر قلیل حلیۃ الاولیاء اسود بن یزید 120/2، رقم1652)

حضرت سیدنا قتادہ بن دعامہ رحمۃُ اللہِ علیہ (رمضان کے علاوہ) سات راتوں میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کیا کرتے، رمضان المبارک میں تین راتوں میں اور رمضان المبارک کے آخری عشرے کی ہر رات ایک قرآن پاک ختم کرتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء قتادۃ بن دعامۃ حلیۃ الاولیا، قتادہ بن دعامۃ 385/2، رقم: 2655)

حضرت سیدنا سعد بن ابراہیم زہری رحمۃُ اللہِ علیہ رمضان المبارک میں اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں کو اس وقت تک افطار نہ کرتے، جب تک قرآن کریم ختم نہ کر لیتے، مغرب و عشاء کے درمیان اُخروی معاملے میں غور و فکر کرتے رہتے اور اکثر افطار کے وقت مساکین کو بلاتے تا کہ وہ بھی ان کے ساتھ افطار کریں۔ (حلیۃ الاولیاء سعد بن ابراھیم الزھری، 199/3، رقم:3695)

حضرت سیدنا امام شافعی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ماہ رمضان میں نمازوں میں 60 قرآن پاک ختم کرتے تھے۔(حلیۃ الاولیاء الامام الشافعی، 142/9، رقم:13426)

ختم قرآن پاک کے فوائد:

حضرت سیدنا ابراہیم تیمی رحمۃ اللہِ علیہ فرماتے ہیں: جس نے دن کے ابتدائی حصے میں قرآن پاک ختم کیا فرشتے شام تک اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں اور جس نے رات کے ابتدائی حصے میں قرآن پاک ختم کیا فرشتے صبح تک اس کے لئے دعائیں کرتے رہتے ہیں۔(تفسیر قرطبی، خطبۃ المصنف، باب ما یلزم قاری القرآن، 1/44 بتغیر قلیل)

حضرت سیدنا حبیب بن ابی عمرہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو شخص قرآن مجید ختم کرتا ہے فرشتہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان (پیشانی) کا بوسہ لیتا ہے۔(التذکار فی افضل الاذکار، ص89)

حضرت سیدنا امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لوگ ختم قرآن کے وقت جمع ہوتے اور کہتے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

(التذکار فی افضل الاذکار، ص89)

ہمیں چاہئے کہ ماہِ رمضان المبارک میں دیگر عبادات کے ساتھ کثرت سے تلاوت قرآن بھی کریں۔

بزرگوں کا شوق عبادت:

اے عاشقانِ اولیا! آیئے بزرگوں کی عبادات کے مزید واقعات ملاحظہ فرمایئے، چنانچہ

سحری تک قیام فرماتے:

حضرت سیدنا عبد اللہ بن ابو بکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ہم قیام رمضان سے واپس آتے تو خُدام (ملازم) سے جلد کھانا لانے کو کہتے اس خوف سے کہ کہیں فجر طلوع نہ ہو جائے۔(طہارۃ القلوب، ص157)

رات دن جاگتے رہتے:

حضرت سیدنا ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ رمضان کے مہینے میں دن کے وقت فصل کی کٹائی کرتے اور رات میں (نفل) نمازیں پڑھتے، آپ رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک کے 30 دن یوں گزارے کہ نہ رات کو سوتے نہ دن کو۔(حلیۃ الاولیاء ابراھیم بن ادھم، 7/435، رقم:11117)

ریاضت کے یہی دن ہیں
بُڑھاپے میں کہاں ہمت
جو کچھ کرنا ہو اب کرلو
ابھی نوری جواں تم ہو

(سامان بخشش، ص160)

اے عاشقان اولیا! بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم دن بھر روزے کی حالت میں محنت و مشقت کرتے اور راتیں نوافل کی ادائیگی میں بسر کرتے اور پورا مہینا آرام نہیں فرماتے۔ اس سے ان لوگوں کو درسِ عبرت حاصل کرنا چاہئے جو کبھی گرمی کی شدت کا بہانہ بنا کر رمضان کے روزے چھوڑتے ہیں تو کبھی کاروبار اور کمزوری کا بہانہ بنا کر تراویح نہیں پڑھتے، حالانکہ ہمارے اسلاف ماہ رمضان کو عبادت اور رب کریم کی اطاعت و فرمانبرداری میں گزارتے، کبھی ساری رات قرآن کریم کی تلاوت کرتے، تو کبھی ساری رات نوافل کی ادائیگی میں بسر کرتے، کبھی ساری رات توبہ و استغفار کرتے، تو کبھی فکر آخرت کے بارے میں سوچ کر ساری رات آنسو بہاتے اور اپنی عبادات کی قبولیت کے لئے خوب دعائیں کرتے، چنانچہ

ایک بزرگ رَحْمَۃُ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ پہلے کے بزرگان دین رحمۃ اللہ علیہم چھ مہینے دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ہمیں رمضان نصیب فرما اور پھر (رمضان کے بعد) چھ مہینے یہ دُعا کرتے کہ یا اللہ! ہماری ماہ رمضان کی عبادتیں قبول فرما۔

(لطائف المعارف، ص240)

یہ موضوع اگرچہ طوالت پکڑ گیا مگر یہ طوالت ان عبادات و واقعات کے سامنے سمندر میں قطرے کے برابر ہے ہمیں چاہیے کہ ہم رمضان المبارک میں کثرت کے ساتھ عبادات کریں تاکہ اس ماہ مقدس میں اپنے رب عزوجل کو اور اپنے رحیم رب کے کریم محبوب صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم کی خوشنودی حاصل کرنے والے بن جائیں رب العالمین ہمیں ماہ صیام، ماہ غفران میں کثرت عبادات کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمِیْن بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمِیْن صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم

غزوہ بدر کا پس منظر

از: مولانا سجاد رضا جامی العطاری

تلوار اٹھانا ہمیشہ خونریزی کے لیے نہیں ہوا کرتا بلکہ بعض اوقات حمایت دین و حفاظت حقوق اور قیام امن و امان کے لیے بھی تلوار اٹھانی پڑتی ہے۔ ہمارے آقا و مولیٰ حضور جان جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جنگ کرنی پڑی مگر اس وقت تک تلوار کو ہاتھ نہیں لگایا جب تک انسانی زندگی، دین اسلام کی حفاظت و امن قائم رکھنے کے واسطے سوا اس کے کوئی اور چارہ باقی نہ رہا لیکن۔!

ان لڑائیوں میں ایک مفید کام بھی انجام پایا:

یعنی ان کی وجہ سے وہ مواقع پیدا ہو گئے کہ جن کا پیدا ہونا حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اخلاق فاضلہ کے اظہار کے لیے ضروری تھا۔ اور جو ان حالات کے پیدا نا ہونے کی صورت میں پوشیدہ کے پوشیدہ رہ جاتے۔ مجملہ آپ کے ان اخلاق فاضلہ کے آپ کے اعدائے دین جو کہ جنگ کے بعد مغلوب اور گرفتار ہو کر آپ کی خدمت میں آنے کے ساتھ اعلیٰ درجہ کا یہ سلوک کرنا اور اس قسم کے واقعات سے تو حضور علیہ السلام کی زندگی کی تاریخ بھری پڑی ہے۔

پھر بھی معاندین اسلام آنکھیں بند کر کے یہی کہتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑائیوں کی غرض یہ تھی کہ کفار کو بزورِ شمشیر دینِ اسلام میں داخل کیا جائے حالانکہ ہر جنگ کے اختتام پر سینکڑوں بلکہ بعض اوقات ہزاروں قیدی بلا کسی جبر و اکراہ کے آزاد کئے جاتے تھے اور ان کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کیا جاتا تھا اگر آپ نے تمام لڑائیاں محض اس لئے کیں کہ بزورِ شمشیر کفار کو داخلِ اسلام کیا جائے تو کیوں ان کو بغیر اسلام

قبول کے چھوڑ دیا جاتا تھا کہ وہ اپنے گھروں کو واپس چلے جائیں کوئی دشمن اسلام ایک واقعہ بھی ایسا بھی نہیں پیش کر سکتا کہ کسی کو جبراً مسلمان بنایا گیا ہو۔

حضور علیہ اسلم کی حیرت انگیز اور انتھک کوشش اپنے ملک بلکہ تمام دنیا سے بت پرستی دور کرنے اور دیگر اصلاحات قائم کرنے کے لئے ہمیشہ جاری رہی آپکی یہ کوشش ملک کے اندر آپ کے خلاف ایک خطرناک مخالفت کی آگ بھڑ کانے کا موجب ہو گئی۔ ملک عرب کی ہر قوم چونکہ اپنے الگ الگ بت رکھتی تھی اور ان کی پرستش کرتی تھی اس لئے اپنے اپنے خداؤں کی عزت قائم رکھنے کے لئے ہر ایک خاندان حضور علیہ السلام کے خلاف جنگ کرنے کے واسطے آمادہ ہو گیا یہ ذکر اس وقت کا ہے جب حضور علیہ اسلام مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ جلوہ افروز ہو چکے تھے۔

جب کفار مکہ کے مسلمانوں پر حملے ہونے شروع ہوئے تو مجبوراً آپ کو بھی وقتاً فوقتاً ان دشمنان اسلام کے مقابلے میں یا تو بذات خود میدان جنگ میں نکلنا پڑا یا اپنے صحابہ کرام کو دشمنوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بھیجنا پڑا جن لڑائیوں میں آپ خود بنفس نفیس شریک ہوئے ان کو غزوات اور جن میں آپ شریک نہ ہوئے صرف اپنے ساتھیوں کو بھیجا انکو سرایا کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کو ایام ہجرت سے وفات شریف تک یعنی گیارہ سال کے عرصہ میں 19 لڑائیاں لڑنے کا اتفاق ہوا۔ جیسے کہ بخاری شریف میں ہے:

کہ حضرت زید بن ارقم سے پوچھا گیا: حدثنا عبد الله بن رجاء حدثنا إسرائيل عن ابی إسحاق، قال : سالت زيد بن ارقم رضی الله عنه كم غزوت مع رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: سبع عشرة، قلت: كم غزا النبی صلى الله عليه وسلم قال: تسع عشرة

ہم سے عبد اللہ بن رجاء نے بیان کیا، انہوں نے بیان کیا ہم سے اسرائیل نے بیان کیا، ان سے ابو اسحاق نے بیان کیا کہ میں نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تم نے کتنے غزوے کئے تھے؟ انہوں نے بتایا کہ سترہ۔ میں نے پوچھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتنے غزوے کئے تھے؟ فرمایا کہ انیس۔

(بخاری شریف، باب کم غزا النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 4471)

بعض نے 26 یا 27 کی تعداد کا ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں قتال کی نوبت صرف نو لڑائیوں میں پہنچی ہے جن کے نام یہ ہیں۔

غزوہ بدر، غزوہ احد، غزوہ خندق، غزوہ بنی مصطلق، غزوہ بنی قریہ، غزوہ خیبر، غزوہ حنین، غزوہ طائف، فتح مکہ اور سب سے آخر غزوہ تبوک تھا۔ لیکن اس میں لڑائی کی نوبت نہیں آئی ان کے سوا باقی سرایا ہیں جن میں خود حضور علیہ السلام تشریف نہیں لے گئے۔ حضور جانِ جاناں علیہ السلام کو کفار مکہ کے ساتھ جو سب سے پہلی باقاعدہ جنگ لڑنی پڑی وہ جنگ بدر ہے۔ جو مقام بدر میں رمضان کی سترہ تاریخ 2 ہجری کو لڑی گئی۔ بدر ایک گاؤں ہے اور بعض کے نزدیک بدر ایک کنویں یا چشمے کا نام ہے جس کو بدر بن مخلد نے کھودا تھا۔

غزوہ بدر کے مختلف نام:

اس غزوہ کو بدر العظمٰی، بدر الکبری، بدر القتال اور بدر الفرقان بھی کہتے ہیں چنانچہ علی بن برھان الدین نے انسان العیون فی سیرت الامین و المامون جلد دوسری صفحہ 152 پر لکھا ہے: وَيُقَالُ لَهَا بَدْرُ الْفُرْقَانِ اَیْ لِاَنَّ اللهَ تَعَالٰی فَرَّقَ فِيهَا بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ اور اسے بدر الفرقان بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے حق اور باطل کے درمیان فرق کر دیا۔

یہ غزوہ تمام غزوات سے اعظم ہے اس غزوہ میں اسلام کی شان و شوکت اور دین اسلام کی عظمت میں اضافہ ہوا اس جنگ میں مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار اور مسلمانوں کی تعداد صرف تین سو تیرہ تھی جیسا کہ مسند احمد کی روایت میں:

حَدَّثَنَا نَصْرُ بْنُ بَابٍ ، عَنِ الْحَجَّاجِ ، عَنِ الْحَكَمِ ، عَنْ مِقْسَمٍ ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّهُ قَالَ : إِنَّ أَهْلَ بَدْرٍ كَانُوا ثَلَاثَمِائَةٍ وَثَلَاثَةَ عَشَرَ رَجُلًا، وَكَانَ الْمُهَاجِرُونَ سِتَّةً وَسَبْعِينَ، وَكَانَ هَزِيمَةُ أَهْلِ بَدْرٍ لِسَبْعَ عَشْرَةَ مَضَيْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے فرماتے ہیں: اہل بدر تین سو تیرہ (313) مرد تھے، مہاجرین کی تعداد چھہتر (76) تھی، بدر والوں کو شکست سترہ (17) رمضان المبارک کو جمعہ والے دن ہوئی۔ (مسند احمد، حدیث: 2232)

نہیں تھا تین سو تیرہ سے آگے تک شمار ان کا
سنا یہ ہے کہ ان کے ساتھ پروردگار ان کا

(حفیظ جالندھری)

کافروں کے پاس بہت سا جنگی سامان تھا۔ چنانچہ ان کے پاس سو (100) گھوڑے سات سو (700) اونٹ اور ان کے سوار اور پیادہ بھی زرہ پوش تھے۔ علاوہ ازیں عیش و عشرت کے سامان بھی ان کے ساتھ تھے چنانچہ گانے والی عورتیں، دف بجانے والی لڑکیاں اور دیگر آلات عیش و طرب ان کے ساتھ تھے۔ میدان جنگ میں روزانہ دس اونٹ ذبح ہوتے تھے۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے پاس صرف آٹھ تلواریں چھ زرہیں اور دو گھوڑے تھے۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے
چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے یہ لوگ
دنیا بھر کی تقدیریں

جب مسلمان مدینہ منورہ میں امن سے بیٹھے تو مشرکین مکہ کو بہت ناگوار گزرا کہ یہ جماعت ہمارے پنجہ ظلم سے کیوں بچ نکلی اس لئے وہ طرح طرح کی تدبیر کرنے لگے چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو تجارتی مال کے ساتھ ایک قافلے کا سردار بنا کر ملک شام کی طرف بھیجا اور طے یہ ہوا کہ اس کا سارا نفع ہتھیاروں اور سامان جنگ پر خرچ کیا جائے تاکہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیا جائے مشرکین کے اس قافلے کو اس تجارت میں بہت نفع ہوا جب وہ قافلہ وہاں سے واپس ہوا تو راستہ میں اس کا گزر مدینہ طیبہ کے قریب سے ہونا تھا۔

حضور علیہ السلام کو مشرکین کے اس خطر ناک منصوبہ کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اے میرے صحابہ چلو اس قافلہ کو روک لو اور اس کا مال حاصل کرلو تاکہ مشرکین کے ناپاک عزائم خاک میں مل جائیں اور ان کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہو۔

بخاری شریف میں ہے حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں کہ میں کسی غزوہ سے غیر حاضر نہ رہا۔ سوائے تبوک اور بدر کے اور غزوہ بدر میں جو صحابہ حاضر نہیں ہوئے ان پر عتاب نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ إنما خرج رسول الله صلى الله عليه وسلم يريد عير قريش ترجمہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلے کا ارادہ کر کے نکلے تھے۔ (بخاری، باب کعب بن مالک، حدیث:4418)

اس کے علاوہ تفسیرِ کبیر میں ہے کہ ملک شام سے قریش کا قافلہ اموال کثیر لیکر واپس لوٹا اس قافلے میں چالیس سوار تھے جن میں ابو سفیان، عمر بن العاص اور دیگر مشرکین تھے۔ جبرائیل امین نے حضور علیہ السلام کو اس قافلے کی آمد کی اطلاع دی حضور علیہ السلام نے صحابہ سے فرمایا کہ مشرکین کا ایک قافلہ بہت ساز و سامان لے کر ملک شام سے لوٹ رہا ہے تم میرے ساتھ چلو شاید خدا تعالی تمہیں یہ مال بخشے۔(تفسیر کبیر، جلد 51، صفحہ 126)

چنانچہ تین سو تیرہ صحابہ کرام جن میں ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیں انصار تھے۔ حضور علیہ السلام کے ساتھ نکلے اس چھوٹی سی جماعت کے سپہ سالار خود امام الانبیا حبیب کبریا علیہ السلام تھے۔

یہ شکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

اس غزوہ میں آٹھ حضرات عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، تین مہاجرین۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ جن کی زوجہ مقدسہ حضرت رقیہ بنت رسول خدا بیمار تھیں۔ حضور علیہ السلام کے حکم سے ان کی تیمارداری کے لئے رک گئے اور طلحہ اور سعد ابن زید جن کو حضور علیہ السلام نے مشرکین کے قافلہ کی خبر لانے کو روانہ فرمایا تھا اور پانچ انصاری ان تمام کا مال غنیمت میں حصہ مقرر کیا گیا۔

جب حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا تو ام ورقہ بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھے بھی اس غزوہ میں شریک ہونے کی اجازت دیجئے میں جنگ میں زخمی ہونے والے مجاہدوں کی مرہم پٹی کروں گی اور شاید مجھے خدا تعالیٰ شہادت کا مرتبہ دے نبی پاک صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا کہ تو گھر پر ہی رہ خدا تجھے شہادت کا رتبہ دے گا۔

اس کے بعد وہ تمام لوگوں میں شہیدہ کے لقب سے مشہور ہو گئیں حضور علیہ السلام بھی اسے شہیدہ کہ کر پکارا کرتے تھے۔ آخر فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں شہید ہو گئیں۔(انسان العیون فی سیرت الامین والمامون، ج 2، ص 152)

جب حضور علیہ السلام نے مدینہ طیبہ سے کوچ فرمایا تو حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کو نمازوں پر اپنا جانشین مقرر فرمایا اور بئر ابی عتبہ سے حضرت

ابولبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واپس کر دیا۔ اور ان کو مدینہ طیبتہ پر اپنا جانشین مقرر فرمایا۔(سیرت حلبیہ،2/156)

حدثنا محمد بن عبد الله المخرمی، حدثنا عبد الرحمن بن مهدی، حدثنا عمران القطان، عن قتادة، عن انس، ان النبی صلی الله علیه وسلم استخلف ابن ام مکتوم علی المدینة مرتین

ترجمہ: انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں دو مرتبہ (جب جہاد کو جانے لگے) اپنا قائم مقام (خلیفہ) بنایا۔(ابوداؤد، حدیث:2931)

مدینہ منورہ سے نکلنے پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کے لئے خدا تعالیٰ سے دعا مانگی:

اللّٰهُمَّ إِنَّهُمْ حَفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ وَعَرًا لأَنَّ الْبَسُهُمْ وَجِيَاءَ وَاتَّبِعُهُمْ وَعَالَةٌ فَأَغْنِهِمْ مِنْ فَضْلِكَ

ترجمہ: الٰہی یہ لوگ پیادہ ہیں۔ ان کو سواریاں عطا فرما۔ یہ برہنہ ہیں ان کو لباس عطا کر، یہ بھوکے ہیں۔ ان کو سیر کر دے، یہ نادار ہیں ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے۔(تفسیرِ مظہری، جلد4، صفحہ14)

میدان بدر اور دو ننھے شہزادوں کی بہادری:

حضرت سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: غزوہ بدر کے دن جب میں مجاہدین کی صف میں کھڑا تھا، میں نے اپنے دائیں بائیں دو کم سن انصاری لڑکے دیکھے۔ اتنے میں ایک نے آہستہ سے مجھ سے کہا: یَاعَمُّ هَلْ تَعْرِفُ أَبَا جَهْل؟ چاچا جان! آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں؟

میں نے جواب دیا: ہاں لیکن تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اُس نے کہا: مجھے معلوم ہوا ہے وہ گستاخ رسول ہے، وہ ہمارے آقا جان صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتا ہے، خدا کی قسم! اگر میں اُس کو دیکھ لوں تو اس پر ٹوٹ پڑوں یا تو اس کو مار ڈالوں یا خود مر جاؤں۔ دوسرے لڑکے نے بھی مجھ سے اس طرح کی گفتگو کی۔ (شاعر ان دونوں نو عمر لڑکوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے کہتا ہے)

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے یہ محبوب باری کو

حضرت سیدنا عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزید فرماتے ہیں:

اچانک میں نے دیکھا کہ ابو جہل اپنے سپاہیوں کے درمیان کھڑا ہے۔ میں نے ان لڑکوں کو ابو جہل

کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ تلواریں لہراتے ہوئے اُس پر ٹوٹ پڑے اور پے درپے وار کر کے اسے پچھاڑ دیا۔ پھر دونوں اپنے پیارے محبوب حضور جانِ جاناں آقا جان صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی: یارسول اللہ صل اللہ تعالی علیہ والہ وسلم ہم نے ابو جہل کو ٹھکانے لگا دیا ہے۔ سرکار عالی وقار صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے استفسار فرمایا:

تم میں سے کس نے اسے قتل کیا ہے؟ دونوں ہی کہنے لگے: میں نے۔ شہنشاہ نامدار صلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تم نے اپنی خون آلودہ تلواریں صاف کر لی ہیں؟ دونوں نے عرض کی: جی نہیں۔ مصطفے جان رحمت صلی اللہ تعالی علیہ واٰلہ وسلم نے ان تلواروں کو ملاحظہ کر کے فرمایا:

کلاکُمَا قَتَلَه

یعنی تم دونوں نے اسے قتل کیا ہے۔

(بخاری، جلد2، صفحہ 356، حدیث:3141)

دونوں متوں کا بھی حملہ خوب تھا ہو جبل پر
بدر کے ان دونوں تھے جاں نثاروں کو سلام

یہ ہے حضور جان عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق یہ عشق تو ایسا ہے کہ بوڑھوں کو جوان کر دے بچوں کو طاقت دے دے کہاں ابو جہل جیسا ناپاک سورما اور کہاں یہ پھول جیسے دو شہزادے لیکن۔ ہمارے ایک بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت جی عشق اپنے فیصلے کرنے میں خود بڑا دلیر ہوتا ہے۔

عشق نہیں پوچھتا ہوتا کچھ بھی عشق نہیں دیکھتا کچھ بھی کہ آگے والا کون ہے جب بات محبوب عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وناموس کی آجائے تو پھر عاشق سب کچھ کر گزرتا ہے کرے بھی کیوں نا؟ بھئی حضور جان جاناں صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق ہے ایسا کہ جوڈرپوک کو بھی دلیر کر دیتا ہے۔

اللہ کریم ہمیں حضور جانِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح معنوں میں محبت عطا فرمائے۔ آمین

حیرت انگیز جزبے کا راز:

یہ عزم محکم، یہ باطل سے ٹکرا جانے کا والہانہ شوق، خدا و مصطفےٰ عزوجل وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نام پاک بلند کرنے کی تڑپ، یہ بے خوفی اور بہادری انہیں کہاں سے ملی؟ یقینا یہ سب اللہ و رسول عَزَجَلَّ وصلی اللہ تعالی علیہ وآلہ وسلم کی محبت

اور اُن دُعاؤں کا ثمر (یعنی نتیجہ) ہے جو کہ لبہائے مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم سے نکلیں۔

چنانچہ امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نقل کرتے ہیں: حضرت علی المرتضیٰ، شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجھہ الکریم نے فرمایا: "بدر کے روز ہم میں سے حضرت مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ کوئی سوار نہ تھا وہ ابلق (یعنی چتکبرے) گھوڑے پر سوار تھے، اُس رات سب سو رہے تھے مگر اللہ عزوجل کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم ساری رات نفل پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ (دلائل النبوۃ، جلد 3، صفحہ 49)

سُبْحَنَ اللہ! اشکوں کی زبانی فتح و نصرت کیلئے جو دعائیں مانگی گئی ہونگی ان کی قبولیت کا کیا عالم ہو گا!

فرشتوں کے ذریعے مدد:

امیرُ الْمُؤمِنین، امام العادلین، حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: بدر کے روز سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم قبلہ رو کھڑے ہو گئے اور اپنے دونوں ہاتھ بارگاہ الٰہی میں پھیلا دیئے اور اپنے پروردگار عالم سے فریاد شروع کر دی۔

یہاں تک کہ محویت (یعنی استغراق) کے عالم میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کے مبارک کندھے سے چادر پاک زمین پر تشریف لے آئی، سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیزی سے آئے اور چادر شریف اٹھا کر سلطان بحر و بر صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کے مبارک کندھے پر ڈال دی، پھر والہانہ انداز میں پیچھے سے سرکار مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کو سینے سے لگالیا اور عرض کی:

آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم! آپ کی اپنے رب عزوجل سے یہ دُعا کافی ہے۔ یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ اپنا عہد پورا فرمائیگا۔ اُس وقت سیدنا جبرئیل امین عَلَيهِ الصلوة والسلام یہ آیت (یعنی پارہ 9، سورۃ الانفال، آیت:9) لے کر حاضر خدمت اقدس ہوئے:

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓىِٕكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝

ترجمہ کنز العرفان: یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری فریاد قبول کی کہ میں ایک ہزار لگاتار آنے والے فرشتوں کے ساتھ تمہاری مدد کرنے والا ہوں۔

(مسلم، صفحہ 969، حدیث: 1763)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عزوجل رسولوں کے سرتاج ، صاحب معراج صلی اللہ تعالی علیہ واٰلہ وسلم کی دعاؤں کو قبولیت کا تاج پہنا دیا گیا۔ میرے آقا اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں:

اجابت کا سہرا عنایت کا جوڑا
دلہن بن کے نکلی دعائے محمد
اجابت نے جھک کر گلے سے لگایا
بڑھی ناز سے جب دعائے محمد

غزوہ بدر میں بہت سارے معجزات بھی واقع ہوئے فرشتوں کی آمد اور پھر ان کا مدد کرنا اور اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ ہمارے مارنے سے پہلے وہ کٹ کے گر جاتا۔ کافروں کے بڑے بڑے کھمبے اکھاڑ دیئے گئے

یہ شوق یہ ولولہ یہ بہادری یہ عشق مصطفیٰ و دعائے مصطفیٰ کی بدولت تھی اور خالق عالم کا وعدہ تھا جو کہ سچ ثابت ہوا۔

اور حضور جان عالم کا دعا میں یہ فرمانا کہ مالک اگر مسلمانوں کو فتح نصیب نا ہوئی تو رہتی دنیا تک تیرا نام لینے والا کوئی نا ہو گا۔

اور مسلمانوں کے بے سروسامانی و روزے کی حالت میں جنگ لڑنا واقعتاً ایک بہت بڑی جرات و بہادری کا کام ہے۔

یہ وہ ہستیاں تھیں جنہوں نے سب کچھ اللہ و رسول کی بارگاہ میں قربان کر دیا گھر بار چھوڑ دیا جانوں کے نذرانے پیش فرما دیئے۔

یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جو ہمارے لیئے قابل تقلید ہیں وہ ہستیاں ہیں کہ جو ہمارے لیئے مدار ایمان ٹھہریں۔

یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کی محبت کے بغیر ہمارا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

اور یہ وہ ہستیاں ہیں کہ جن کے ذریعے جن کی کوششوں کے ذریعے سے دین اسلام ہم نکموں تک پہنچا۔

خالق عالم کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ ان کے مراقد مقدسہ پر رحمت کی بارشیں مزید نازل فرمائے اور ان کا صدقہ ہمیں بھی عشق مصطفیٰ کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کی توفیق سعید بخشے۔ آمین ثم آمین

مسجد نبوی کا تعارف و تاریخ

از: مولانا ابو سفیان راشد مدنی
(صادق آبادی)

سورہ توبہ کی آیت نمبر 108 میں اللہ پاک ارشاد فرماتا ہے:

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ؕ

ترجمہ: بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے پرہیز گاری پر رکھی گئی ہے وہ اس کی حقدار ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو۔

تفسیر: اس سے مراد مسجدِ قباء ہے جس کی بنیاد رسولِ کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے رکھی اور جب تک حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے قبا میں قیام فرمایا اس میں نماز پڑھی۔

مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے مسجدِ نبوی مراد ہے۔ (تفسیر مدارک: ص455)

ہم اس کالم میں مفسرین کے قول مسجد نبوی کے تحت اس مبارک و مقدس مسجد کا تذکرہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ مسجد نبوی کے حوالے سے بہت سی احادیث میں فضائل بیان کیے گئے ہیں، یہاں آیت کی مناسبت سے مسجدِ نبوی کی فضیلت پر صرف ایک حدیث پاک پیش کرتے ہیں:

آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: "کسی شخص کا اپنے گھر میں نماز پڑھنا ایک نماز کا ثواب ہے، اور اس کا محلے کی مسجد میں نماز پڑھنا پچیس نمازوں کا ثواب ہے اور اس کا جامع مسجد میں نماز پڑھنا پانچ سو نمازوں کا ثواب ہے (اور اسی حدیث پاک میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ) میری مسجد میں نماز پڑھنا پچاس ہزار نمازوں کا ثواب ہے۔

(سنن ابن ماجہ: 2/176، حدیث نمبر: 1413)

جس شے کا ذکر کمال انداز سے قرآن و حدیث میں کیا گیا ہو تو اسے دیکھنے کا اشتیاق اور بڑھ جاتا ہے، پھر جسے نسبت آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ہو جائے اس کے تو کیا ہی کہنے۔

مسجد نبوی دنیا کی سب سے بڑی مساجد میں سے ایک ہے اور اسلام کا ایک مقدس ترین مقام ہے، مسجد نبوی سعودی عرب کے شہر مدینہ منورہ میں واقع ہے، مسجد نبوی کی تاریخ پر لکھنے کے لیے کئی صفحات بلکہ کئی جلدیں چاہییں لیکن چونکہ یہ کالم ایک میگزین کا ہے اس لیے چند ایک چیزوں اور نمایاں پہلوؤں پر مختصراً کچھ چیزیں پیشِ خدمت ہیں:

تاسیس مسجد نبوی: آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جب مکّہ پاک سے ہجرت فرما کر مدینۂ منورہ تشریف لائے تو قبیلہ بنی عَمْرو بن عَوف کے یہاں مسجد قُبا کی بنیاد رکھی اور اس میں نماز ادا فرمائی، پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہوئے یہاں تک کہ اونٹنی مدینۂ منورہ میں آکر اس مقام پر بیٹھ گئی جہاں اس دن بعض مسلمان نماز ادا کر رہے تھے۔

یہ کھجوروں کو خشک کرنے کی جگہ تھی اور یہ زمین دو یتیم بچوں سَہل اور سُہَیل کی تھی جو حضرت سیدنا اَسْعَد بن زُرارَہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کَفالت میں تھے۔ جب اونٹنی وہاں بیٹھ گئی تو آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: یہی ہماری منزل ہو گی ان شآءَ اللہ۔

پھر آخری نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ان بچّوں کو بلایا اور ان سے زمین خریدنے کے لئے گفتگو فرمانے لگے تو انہوں نے عرض کیا: ہم آپ کو بطور نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ (بخاری، ج2، ص595، حدیث:3906)

رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے وہ زمین بلا قیمت قبول نہ فرمائی بلکہ اس کو خریدا جس کی رقم حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ادا کی۔ (امتاع الاسماع، ج10، ص88 ماخوذاً)

سنگِ بنیاد کس نے اور کب رکھا؟ ربیع الاوّل 1ھ بمطابق اکتوبر 622 عیسوی میں (مدینۃ الرسول، ص147) مسجد نبوی شریف کا سنگ بنیاد اس انداز سے رکھا گیا کہ پہلا پتھر حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے، دوسرا حضرت سیّدنا ابو بکر صدیق نے، تیسرا حضرت سیّدنا عمر فاروق نے اور چوتھا حضرت سیّدنا عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے رکھا۔ (کتاب الفتن للنعیم، ج1، ص107، حدیث:259)

مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع: ویسے روئے زمین پر اپنی حرمت، عزت، شرافت اور بُزرگی کے لحاظ سے تین مسجدیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں اور تینوں کی تعمیر حکمِ الٰہی سے انبیاء کرام علیہمُ السّلام نے فرمائی ، مسجدِ حرام ، مسجدِ اقصیٰ اور مسجدِ نبوی۔ تیسری مسجد کی خصوصیت یہ ہے کہ اسے اللہ پاک کے آخری نبی، محمدِ عربی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اپنے پیارے اصحاب کے ساتھ مل کر تعمیر فرمایا، تعمیر کے بعد اس کی پہلی توسیع سات ہجری میں ہوئی، اس کے بعد آنے والے ادوار میں حکومتیں مسجد نبوی کو کشادہ اور زیادہ خوبصورت بنانے کے لیے کام کرتی رہیں، کم سے کم 16 بار اس مبارک مقام کی تعمیر و توسیع کی گئی جسے مورخین نے بڑی تفصیل سے بیان فرمایاہے۔

حجرات نبوی: رسول مقبول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے مکانات دنیاوی بادشاہوں کی طرح سنگ مرمر اور دوسرے قیمتی پتھروں سے مزین نہیں تھے بلکہ وہ بھی اپنی ذات میں سادگی کی ایک منہ بولتی تصویر تھے، کچی اینٹوں اور کھجور کی شاخوں سے بنے ہوئے تھے۔

عطاء خراسانی بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ازواج کے حجرات دیکھے، وہ کھجور کے تنوں سے بنے ہوئے تھے اور ان کے دروازوں پر سیاہ بالوں کے بنے ہوئے پردے تھے۔(الطبقات الکبریٰ لابن سعد: جلد 8، ذکر مَنَازِلِ أَزْوَاجِ النَّبِيِّ)

88ھ میں ان حجرات کو مسجد نبوی کا حصہ بنا کر مسجد میں توسیع کر دی گئی۔(الطبقات الکبریٰ: 8/167)

صرف عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کو چھوڑ دیا گیا، جس میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دفن کیا گیا تھا۔

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو زمین پر نزول کے بعد مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اسی میں دفن کیا جائے گا۔

گنبد: حجرہ نبوی پر دو گنبد بنائے گئے ہیں، ایک چھوٹا گنبد ہے جو مسجد کی چھت کے نیچے بنایا گیا ہے ،اور دوسرا بڑا سبز گنبد ہے جو اپنے جلوے بکھیرتا نظر آتا ہے۔

جنت البقیع: مسجد نبوی کے مشرق میں واقع اہل مدینہ کا قبرستان "بقیع الغرقد" کے نام سے

معروف ومشہور ہے جسے ہمارے برصغیر کے زائرین "جنت البقیع" کہتے ہیں۔

اس میں صحابہ کرام، اہل بیت عظام، ازواج مطہرات کی مبارک قبریں موجود ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اس شہر کے ہزاروں لوگوں اور زائرین میں سے فوت ہونے والوں کی قبریں بھی شامل ہیں۔

"جنت البقیع" یہ نام کتب حدیث، شروح حدیث، تاریخ، سیرت، بلدان اور لغت وغیرہ میں کہیں نہیں ملتا، صرف بعض ایسے متاخر علما کی کتابوں میں یہ نام ملتا ہے جن کا تعلق برصغیر سے ہے۔

اگر آج کوئی عربی بھی یہ نام لیتا ہے تو عجمیوں کی سنی سنائی لیتا ہے، کتب حدیث، سیرت، تاریخ، بلدان اور لغت وغیرہ میں بے شمار جگہوں پر اس کا نام یا تو "بقیع الغرقد" ملتا ہے یا اختصار کے ساتھ "البقیع"۔ (صحیح بخاری، حدیث نمبر: 4948، صحیح مسلم، حدیث نمبر: 2647)

مسجد نبوی کے محراب: پیغمبر اسلام اور خلفائے راشدین کے زمانے میں مسجد نبوی میں کوئی محراب نہیں تھا، محراب کا رواج اسلامی تاریخ کے ابتدائی سو سال کے درمیان نظر نہیں آتا، اس کی شروعات دوسری صدی ہجری کے شروع میں اس کی ابتدا حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے کی۔

بہر حال مسجد نبوی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے محراب فن تعمیر کے نادر نمونے ہیں، یہ وہ عبادت گاہیں ہیں جن میں نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اور آپ کے بعد دیگر ائمہ نماز پڑھتے تھے، ان میں بیت المقدس کی جانب محراب، محراب نبوی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم، محراب تہجد رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم، محراب "فاطمہ" اور محراب سلیمانی سمیت دیگر شامل ہیں، دو کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

محراب جانب بیت المقدس: احادیث کی معتبر ترین کتب بخاری و مسلم شریف میں سے ثابت ہے کہ نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جب مدینہ آئے تھے تو وہ 16 یا 17 ماہ تک بیت المقدس کا رخ کرکے نماز ادا کرتے رہے تھے۔

محراب نبوی: اس وقت امام کے کھڑے ہونے کی جگہ مسجد کے آخر میں باب عثمان کے بالمقابل شمال کی جانب تھی، جب قبلہ تبدیل ہوا تو

نبی پاک صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اللہ کے حکم پر بیت المقدس کے بجائے خانہ کعبہ کا رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا تھا، اس موقع پر امام کی جائے نماز مسجد نبوی کے شمالی حصے سے جنوبی حصے میں منتقل کر دی گئی تھی۔

مسجد نبوی کے دروازے: مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے عہد حکمرانی میں مسجد نبوی اور اس کے تاریخی مقامات کی تعمیر، توسیع اور تزئین میں حصہ لیا ہے، انہی میں مسجد نبوی کے دروازے بھی آتے ہیں جن کی تعداد آخری توسیع کے بعد 100 سے زیادہ ہو گئی ہے، جبکہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسجد نبوی کے تین دروازے تھے۔

العربیہ (اردو) ویب سائٹ میں 2022 کی جولائی کی رپورٹ کے مطابق مسجد نبوی کے دروازوں کی تعداد 100 بیان کی گئی ہے، اور لکھا ہے کہ ایک دروازے کی چوڑائی 3 میٹر، اونچائی 6 میٹر اور موٹائی 13 سینٹی میٹر سے زیادہ ہے، جب کہ ہر دروازے کا وزن تقریبا ایک چوتھائی ٹن کے برابر ہے۔https://urdu.alarabiya.net

مسجد نبوی کے مینار: مینار عام طور پر اسلامی معاشرے میں مسجد کے ساتھ تعمیر کیا جاتا ہے، مسجد کے ساتھ مینار کی تعمیر دراصل اس سوچ کے تحت شروع کی گئی تھی کہ بلند مقام سے لوگوں کو نماز کے لیے اذان کے ذریعے بلایا جا سکے۔

مدینہ منورہ کی زیارت کرنے والوں کے دلوں کو مسجد نبوی کے دس میناروں کا منظر بہت بھاتا ہے۔ یہ اسلامی طرز تعمیر کا اظہار کرنے والے ایک اہم ترین مقام کی حیثیت رکھتے ہیں، ان میناروں کو شہر کی ہر سمت سے دیکھا جا سکتا ہے۔

جب مسجد نبوی کے مینار نظر آئے
اللہ کی رحمت کے آثار نظر آئے

اختتام: ویسے تو ذکر کرنے کے لیے بہت کچھ ہے جیسے مسجد نبوی کے ستون، اس میں موجود چھتریوں کی تفصیل، اس کے آداب، اور سلطنت عثمانیہ کے دور میں ہونے والی تعمیر و توسیع میں محبت بھرا انداز، بس جو ذکر کیا اللہ پاک اسے اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرمائے۔

نئے سال کا آغاز اور
ہماری ذمہ داریاں

از: مولانا محمد حَسین اشرفی فیضانی

وقت انسان کے لئے ایک عظیم دولت اور بیش بہا نعمت ہے۔ اسلام میں تمام عبادتیں وقت کے ساتھ مربوط ہیں۔ اگر عبادات کی ادائیگی میں ان کے مقررہ اوقات کا لحاظ نہ رکھا جائے تو عبادتیں فاسد و باطل ہو جاتی ہیں۔ عبادات کے نظام میں وقت کا ربط وضبط، احکامِ اسلام میں اس کی اثر انگیزی اُمّت کے ہر فرد سے وقت کی قدر دانی وقدر افزائی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ حضور رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے اُمّت کے لئے اپنے مُبارک و مقدّس ارشادات و فرمودات میں وقت کی اہمیت و افادیت کو اُجاگر کیا ہے کہ دو نعمتیں ایسی ہیں کہ اکثر لوگ ان سے غفلت میں رہتے ہیں: تندرستی اور فرصت۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

ان دونوں نعمتوں کا تعلق اوقاتِ زندگی سے عبارت ہے۔ ایک دوسری روایت میں آپ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے پانچ حالات کو غنیمت جاننے اور انکی قدر دانی کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ حضرت عمرو بن میمون اودی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو! اپنی جوانی کو بُڑھاپے سے پہلے، تندرستی کو بیماری سے پہلے، تونگری کو مُحتاجی سے پہلے، فرصت کو مصروفیت سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

اللہ عزّوجل نے دِنوں، سالوں، مہینوں کی جو تقسیم کی ہے یا انسان نے اپنے خالق سے راہ نُمائی پا کر

جو مختلف تقاویم تیار کی ہیں ان میں انسان کے لیے سب سے اہم سبق "محاسبہ" کا ہے۔ جو لمحہ بھی گزرے اس پر اپنے خالقِ حقیقی کا شکر بجا لایا جائے اور آئندہ کے لئے بہتر زندگی گزارنے کے اسلوب بھی سیکھے جائیں۔ نئے عزم اور نئے عہد و پیمان کے ساتھ آگے بڑھا جائے تاکہ زندگی کی سابقہ غلطیاں، کوتاہیاں اور کمزوریاں زندگی کا دوبارہ حصہ نہ بن پائیں۔

اسی لیے احادیث میں ہے کہ حضور خاتمُ الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر رات بستر پر جانے سے قبل اپنا محاسبہ فرمایا کرتے تھے کہ میں آج کون کون سے اعمال بجا لایا ہوں اور اسے کس طرح بہتر کیا جاسکتا ہے۔

ان اوقات کی تقسیم میں ایک اہم موڑ سال کا آغاز ہوتا ہے۔ جیسا کہ عیسوی کیلنڈر کا آغاز غیر تو بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں اور ہم نئے سال کا آغاز ذکر و اذکار، دُعا و سجدہ، نوافل، صدقات و خیرات اور نئے عہد و پیمان سے کرتے ہیں۔

چونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہم اپنے آقا و مولیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کرنا حرزِ جاں سمجھتے ہیں کیونکہ اسی میں ہماری کامیابی کا راز مُضمر ہے۔ خود ہمارا پروردگار اپنے حبیب کریم علیہ التحیۃُ والتّسلیم کی زبانی ہم سے مُخاطب ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾

ترجمۂ کنزالایمان: اے حبیب! فرما دو کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (سورۂ آلِ عمران)

ہم ہر نئے سال کے آغاز پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں لیکن ایک مومن کے لئے سال اور دن اس صورت میں مبارک ہوتے ہیں جب اس کی توبہ کی قبولیت، روحانی ترقی اور مغفرت کا باعث بن رہے ہوں۔

لیکن آج نئے سال کی آمد پر خوشیاں منانا ایک رسم کی صورت اختیار کر چکا ہے اگرچہ ہر کسی کا انداز اپنا اپنا ہے۔ مذہب اسلام کی خوبی یہ ہے کہ اس کا ہر حکم، ہر ہدایت بامقصد اور پُر حکمت ہے۔ خوشی کے

مواقع پر اسلام مناسبِ حال اظہار کی ممانعت نہیں کرتا لیکن ہر کام میں اللہ کی رضا، اس کی اطاعت اور مقصدِ حیات کو پیشِ نظر رکھنے کا ضرور عندیہ دیتا ہے۔ لیکن افسوس کہ آج غیروں کی دیکھا دیکھی نئے سال کی خوشی کے اظہار اور جشن کے اہتمام میں بہت سارے مسلمان بھی پیش پیش رہتے ہیں، ہونا تو یہ چاہیے کہ ہمیں اپنی فکر اور ذمہ داری کو اور بڑھانا چاہیے تھا۔

ہمیں پوری سنجیدگی کے ساتھ اپنی زندگی اور وقت کو منظم کر کے اچھے اختتام کی کوشش میں لگ جانا چاہیے تھا اور اپنا محاسبہ کر کے کمزوریوں کو دور کرنے اور اچھائیوں کو انجام دینے کی کوشش کرنی چاہیے تھی، لیکن افسوس صد افسوس اس کے برعکس عیسوی سال کے اختتام اور نئے سال کے آغاز پر غیروں کی طرح بہت سارے مسلمان بالخصوص نوجوان لڑکے اور لڑکیاں دھوم دھام سے خوشیاں مناتے ہیں۔

تھرٹی فرسٹ نائٹ کی آڑ میں ہوٹلوں میں روم بُک کئے جاتے ہیں اور اُن میں شراب و شباب کی شامِ رنگین میں زنا و حرام کاری جیسے عظیم گُناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اظہارِ مسرّت کے اس بے محل موقع پر وہ جائز اور مناسب حدود سے نکل کر بہت سے ایسے کام بھی کرتے ہیں، جنہیں ایک عقلمند انسان اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتا، اور نہ ہی انسانی سماج کے لیے وہ کام کسی طرح مفید ہیں، بلکہ نگاہِ بصیرت سے دیکھا جائے تو حد درجہ مضر و نقصان دہ ہیں، ان حرام کاموں پر بے تحاشہ پیسہ خرچ کیا جاتا ہے۔

اگر ہم شریعتِ مطہرہ کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہو گا کہ اسلام میں نئے سال کی ابتداء پر یُوں مرد و عورت کو آزاد ہو جانے کی کوئی اجازت نہیں ہے۔ المیہ یہ ہے کہ آج ہم پر مغربی ثقافت کا ایسا رنگ چڑھا ہے کہ ہم بھول ہی گئے کہ ہم نمازوں کو چھوڑ کر، سُنّتِ رسول کو چھوڑ کر، دینِ اسلام کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیروں کے طریقے اختیار کرنے لگے ہیں جبکہ آج سے چودہ سو سال پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ" ترجمہ: جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی تو وہ انھیں میں سے ہے، لہذا مسلمانوں کو

اس بُرے عمل سے بچنے کی سخت ضرورت ہے تاکہ دوسری قوموں کی مُشابہت سے بچا جاسکے۔(ابوداؤد)

لمحوں کی ناقدری سے بعض اوقات صدیوں کا نقصان ہوتا ہے اور قومیں زوال واِنحطاط کے دلدل میں پھنستی چلی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بہت سی نعمتیں اس کائنات میں دی ہیں اُن میں ایک بہت بڑی نعمت وقت ہے، انسان سمجھتا ہے کہ اُس کی عمر بڑھ رہی ہے، اُس کے اوقات بڑھ رہے ہیں لیکن در حقیقت عُمر گھٹتی جاتی ہے اور ہر لمحہ وقت کی متاعِ گراں مایہ اس کے ہاتھوں سے نکلتی جاتی ہے۔

ایک پتّا شجرِ عُمر سے لو اور گِرا
لوگ کہتے ہیں مُبارک ہو نیا سال تمہیں
کچھ خوشیاں کچھ آنسو دے کر ٹال گیا
جیون کا اِک اور سُنہرا سال گیا

اللہ تعالیٰ بروزِ قیامت انسان سے اس کی عمر کے بارے میں بھی سوال کرے گا کہ کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہیں دی تھی جس میں نصیحت حاصل کرنے والے لوگ نصیحت حاصل کر سکیں؟" اَوَ لَمۡ نُعَمِّرۡكُمۡ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيۡهِ مَنۡ تَذَكَّرَ" (سورۂ فاطر:37)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن آدمی سے اس بارے میں سوال کیا جائے گا کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں گذاری اور اپنی جوانی کو کس مقصد میں صرف کیا؟

افسوس کہ ایسی واضح تعلیمات اور ہدایات کے باوجود بہت سارے مسلمان بھی اپنی زندگی اور وقت کے بارے میں دھوکے میں مبتلا ہیں۔ جب سال مکمل ہوتا ہے یا تاریخِ پیدائش کا دن آتا ہے تو وہ اسے عمر کا بڑھنا سمجھ کر Happy New eyar اور Happy Birth day کے عنوان سے جشن مناتے ہیں، حالانکہ ہر گزرنے والا وقت ہماری عمر فانی کو گھٹا رہا ہے، ہمیں اس دنیا سے دور اور آخرت سے قریب لے جارہا ہے۔ لہٰذا نئے سال یا پیدائش کا جشن منانے کے بجائے اس بات کا جائزہ لینا چاہیے کہ گزری ہوئی زندگی میں ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟

دنیا کے تمام مذاہب اور قوموں میں تیوہار اور خوشیاں منانے کے مختلف طریقے ہیں۔ ہر ایک تیوہار کا کوئی نہ کوئی پس منظر ہے اور ہر تیوہار کوئی نہ کوئی پیغام دے کر جاتا ہے، جن سے نیکیوں کی ترغیب ملتی ہے اور برائیوں کو ختم کرنے کی دعوت ملتی ہے۔ لیکن لوگوں میں بگاڑ آنے کی وجہ سے ان

میں ایسی بدعات وخرافات بھی شامل کر دی جاتی ہیں کہ ان کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

جیسے جیسے دنیا ترقی کی منازل طے کرتی گئی اور مہذب ہوتی گئی۔ انسانوں نے کلچر اور آرٹ کے نام پر نئے جشن اور تیوہار وضع کیے انھیں میں سے ایک نئے سال کا جشن ہے۔

ہمیں اپنی خود احتسابی اور جائزے کے بعد اس کے تجربات کی روشنی میں بہترین مستقبل کی تعمیر وتشکیل کے منصوبے بنانے چاہیئے کہ ہماری کمزوریاں کیا ہیں اور ان کو کس طرح دور کیا جاسکتا ہے؟ دور نہ سہی تو کیسے کم کیا جاسکتا ہے؟

ہمارے لیے نیا سال وقتی لذت یا خوشی کا وقت نہیں بلکہ گزرتے ہوئے وقت کی قدر کرتے ہوئے آنے والے لمحاتِ زندگی کا صحیح استعمال کرنے کے عزم وارادے کا وقت ہے۔ از سرِ نو عزائم کو بلند کرنے وحوصلوں کو پروان چڑھانے کا وقت ہے۔

یاد رہے کہ ہمارا نیا سال جنوری سے نہیں بلکہ محرم الحرام سے شروع ہوتا ہے جو ہو چکا ہے اور ہم میں سے اکثروں کو اس کا علم بھی نہیں ہے۔ ہمیں چاہیے کہ قمری اور ہجری سال کی حفاظت کریں اور اپنے تمام امورِ زندگی اسی تاریخ سے انجام دیں۔

اس لیے کہ ہماری تاریخ یہی ہے۔ چونکہ ہر قوم اپنی تاریخ کو کسی خاص واقعے سے مقرر کرتی ہے اس لیے مسلمانوں نے اپنی تاریخ کو خلیفۂ دوم حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی کرَمَ اللہُ وجہہُ الکریم کے مشورے سے واقعہ ہجرت سے مقرر کیا۔ حضرت عبد اللہ بن ہشام رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كان أصحابُ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم يتعلمون هذا الدعاء إذا دخلت السنة أو الشهر: اللهم أدخله علينا بالأمن والإيمان، والسلامة و الإسلام، و رضوان من الرحمن، و جواز من الشيطان(الطبرانی الاوسط:6241)

ترجمہ: نئے سال یا مہینے کی آمد پہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایک دوسرے کو یہ دعا سکھاتے تھے: اے اللہ! ہمیں اس میں امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ داخل فرما۔ شیطان کے حملوں سے بچا اور رحمٰن کی رضامندی عطا فرما۔

اللہ کریم عزّوجل ہمیں عقلِ سلیم وفکرِ آخرت کی توفیق بخشے، غیروں کی مُشابہت سے بچائے اور حضور علیہ الصّلاۃُ والسّلام کی سُنّتوں پر عمل پیرا ہونا نصیب کرے۔ آمین

ماہ شعبان المعظم اور محبوب کریم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی زندگی

از: مولانا حافظ نعمان مدنی

دین اسلام میں ویسے تو ہر مہینا ہی اپنے دامن میں کچھ نہ کچھ خیر و برکت لئے ہوئے ہے مگر کچھ ماہ ایسے ہیں جنہیں امتیازی حیثیت و خصوصیت حاصل ہے۔ انہی میں ایک مہینا شعبان المعظم کا ہے۔ اس مہینے میں پانچ حروف ہیں: ش، ع، ب، ا، ن۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ "ش" سے مراد شرف (عزت و بزرگی)، "ع" سے مراد علو (بلندی)، "ب" سے مراد برِ (نیکی و تقوی)، "الف" سے مراد الفت (و محبت) اور "نون" سے مراد "نور" ہے۔ گویا کہ اس ماہ میں عبادت کرکے رب کو راضی کرنے والے شخص کو یہ تمام چیزیں عطا کر دی جاتی ہیں۔ جس کی بدولت وہ الفت و محبت الٰہی میں گم ہو کر اس کے نور سے اپنے وجود کو روشن کر لیتا ہے۔

اس مہینے میں رحمت الٰہی جوش پر ہوتی ہے اور بندے کی طرف اس تیزی سے اترتی ہے جس طرح اوپر سے پانی نیچے کی جانب آتا ہے۔ اس میں تلاوت قرآن، ذکر و اذکار و دیگر نیک اعمال کرنے والے کی طرف خاص رحمت الٰہی متوجہ ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم ماہ رجب کے آنے پر یوں دعا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ، بَارِكْ لَنَا فِي رَجَبٍ، وَشَعْبَانَ، وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ "اے اللہ! ہمارے لیے رجب اور شعبان میں برکتیں نازل فرما اور رمضان ہمیں نصیب فرما۔" (طبرانی، المعجم الأوسط، 4/189، رقم:3939)

اس ماہ کی ایک خاصیت یہ ہے کہ اس میں نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم کی ذات مبارکہ پر درود

بھیجنے کا قرآنی حکم بھی مسلمانوں کو عطا کیا گیا۔ جیسا کہ امام قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں لکھا ہے کہ آیت درود "اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ" اسی ماہ مبارک میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے اس ماہ میں درود پاک کی کثرت بھی کرنی چاہیے۔

(قسطلانی، المواھب اللدنیۃ، 2/650)

نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے صحابہ کرام کا معمول اس ماہ کے حوالے سے یہ تھا کہ جیسے ہی اس کا آغاز ہوتا وہ لوگ اپنے دنیاوی معاملات سے فراغت حاصل کر لیتے اور تلاوت قرآن، ذکر و اذکار وغیرہ عبادات میں کثرت سے مشغول ہو جاتے۔ تاکہ اپنے آپ کو رمضان کے بابرکت مہینے میں کثرت عبادت کے لئے عادی بنالیں۔ خود نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس ماہ کو اپنی ذات مبارکہ سے خاص نسبت دی اور فرمایا:

"ماہِ رمضان اللہ تعالیٰ کا مہینا ہے، اور ماہِ شعبان میرا مہینا ہے، شعبان (گناہوں سے) پاک کرنے والا ہے اور رمضان (گناہوں کو) ختم کر دینے والا مہینا ہے۔" (کنزالعمال، 8/217، رقم: 23685)

اس فرمان سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ یہ ماہ خاص آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا مہینا ہے وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ اس ماہ میں گناہوں سے پاکیزگی دلانے کی صلاحیت بھی ہے۔ جو بھی اس میں اخلاص کے ساتھ گناہوں سے توبہ و استغفار کرے گا۔ اس کی بخشش کر دی جائے گی۔

دوسری روایت میں اس ماہ کے حوالے سے فرمایا: "یہ وہ (مقدس) مہینا ہے جس سے لوگ غافل اور سست ہیں۔ رجب اور رمضان المبارک کے درمیان۔ یہ وہ مہینا ہے جس میں (بندوں کے) اَعمال رب العالمین کے حضور لے جائے جاتے ہیں۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اُٹھائے جائیں کہ میں روزہ سے ہوں" (نسائی، السنن، کتاب الصیام، باب صوم النبی داؤد، 4/201، رقم: 2357)

اس حدیث پاک میں واضح طور پر فرمادیا گیا کہ یہ ماہ بہت عظمت والا ہے۔ اس کے باوجود لوگ اس سے غافل ہیں۔ اس ماہ میں اعمال رب العلمین کی بارگاہ میں خصوصاً پیش ہوتے ہیں۔ اس لئے اسے کثرت سے نیکیاں کرنے میں اور حالت روزہ میں گزارو۔

اس ماہ کے حوالے سے ہمیں قرآن کریم کا ارشاد بھی ملتا ہے جو کہ اس کی فضلیت و عظمت کی واضح دلیل ہے کہ اس ماہ کی ایک مبارک رات کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

فِيۡهَا يُفۡرَقُ كُلُّ اَمۡرٍ حَكِيۡمٍ ۙ

ترجمہ: اس (رات) میں ہر حکمت والے کام کا (جدا جدا) فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔(الدخان:1)

اس رات میں رحمت الٰہی کا دریا خوب جوش پر ہوتا ہے اور بڑی تعداد میں گناہ گاروں کو دوزخ سے رہائی ملتی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس رات کو اللہ تعالیٰ غروبِ آفتاب کے وقت سے ہی (اپنی شان کے لائق) آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے۔

اس رات کی فضیلت میں آیا کہ اس میں کاموں کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

شب برأت سرانجام پانے والے امورِ حکمت

(1) شب برأت رحمتِ خداوندی کے طفیل لا تعداد انسان دوزخ سے نجات پاتے ہیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "ایک رات میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو (خواب گاہ میں) نہ پایا تو میں (آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں) نکلی۔ کیا دیکھتی ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں ہیں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تجھے خوف ہے کہ اللہ اور اس کا رسول تیرے ساتھ نا انصافی کریں گے؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں نے سوچا شاید آپ کسی دوسری زوجہ کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ پندرہویں شعبان کی رات کو (اپنی شان کے لائق) آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور قبیلہ بنو کلب کی بکریوں کے بالوں کی تعداد سے بھی زیادہ لوگوں کی مغفرت فرماتا ہے۔"

(مسند احمد بن حنبل، 6/238، رقم:26060)

(2) دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہ سے فرمایا کہ اے عائشہ! تمھیں معلوم ہے کہ شعبان کی پندرہویں شب میں کیا ہوتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: (یارسول اللہ!) اس رات میں کیا ہوتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اس رات سال میں جتنے بھی لوگ پیدا ہونے والے ہیں سب کے نام لکھ دیے جاتے ہیں اور جتنے لوگ فوت ہونے والے ہیں ان سب کے نام بھی لکھ دیے جاتے ہیں اور اس رات میں لوگوں کے (سارے سال کے) اَعمال اٹھا لیے جاتے ہیں اور اسی رات میں لوگوں کی روزی مقرر کی جاتی ہے۔" (مشکوۃ المصابیح، کتاب الصلاۃ، باب قیام شہر رمضان، الفصل الثالث، 1 / 254، الحدیث: 1305)

شبِ براَت اور معمولاتِ نبوی:

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات کو جو خاص عمل فرماتے، ذیل میں ان کو بیان کیا جارہا ہے:

(1) کثرتِ دعا اور گریہ وزاری:

اس رات میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے دعائیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ کناں ہوتے تھے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ شعبان المعظم کی 15 ویں رات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے سجدے میں یہ دعا کر رہے تھے:

سَجَدَ لَكَ خَيَالِي وَسَوَادِي، وَآمَنَ بِكَ فُؤَادِي، فَهٰذِهٖ يَدِي وَمَا جَنَيْتُ بِهَا عَلٰى نَفْسِي، يَا عَظِيْمُ، يُرْجٰى لِكُلِّ عَظِيْمٍ، يَا عَظِيْمُ، اغْفِرِ الذَّنْبَ الْعَظِيْمَ، سَجَدَ وَجْهِي لِلَّذِي خَلَقَه وَشَقَّ سَمْعَه وَبَصَرَهٗ

ترجمہ: "(اے اللہ!) میرے خیال اور باطن نے تجھے سجدہ کیا، تجھ پر میرا دل ایمان لایا، یہ میرا ہاتھ ہے اور میں نے اس کے ذریعے اپنی جان پر ظلم نہیں کیا، اے عظیم! ہر عظیم سے امید باندھی جاتی ہے، اے عظیم! بڑے گناہوں کو بخش دے۔ میرے چہرے نے اس ذات کو سجدہ کیا جس نے اس کی تخلیق کی اور اس کی سمع وبصر کی قوتوں کو جدا جدا بنایا۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سرِ انور اٹھایا اور دوبارہ سجدے میں گر گئے اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرنے لگے:

أَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ، وَأَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْكَ، لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ، أَقُوْلُ كَمَا قَالَ أَخِي

دَاوُدُ، أَعْفُرُ وَجْهِي فِي التُّرَابِ لِسَيِّدِي، وَحَقٌّ لَهُ أَنْ يُسْجَدَ

ترجمہ:"(اے اللہ!) میں تیری رضا کے ذریعے تیری ناراضگی سے پناہ مانگتا ہوں، تیرے عفو کے ذریعے تیرے قہر سے پناہ مانگتا ہوں اور میں تیرے ذریعے تجھ ہی سے (یعنی تیری پکڑ سے) پناہ مانگتا ہوں، میں اس طرح تیری ثنا کا حق ادا نہیں کر سکتا جیسا کہ تو نے خود اپنی ثنا بیان کی ہے، میں ویسا ہی کہتا ہوں جیسے میرے بھائی حضرت داؤد نے کہا، میں اپنا چہرہ اپنے مالک کے سامنے خاک آلود کرتا ہوں، اور وہ حق دار ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے۔"

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا سرِ انور اٹھایا اور عرض کیا:

اَللّٰهُمَّ، ارْزُقْنِي قَلْبًا تَقِيًّا مِنَ الشَّرِّ نَقِيًّا لَا جَافِيًا وَلَا شَقِيًّا "اے اللہ! مجھے ایسا دل عطا فرما جو ہر شر سے پاک، صاف ہو، نہ بے وفا ہو اور نہ بد بخت ہو۔" (بیہقی، شعب الإيمان، 3/385، رقم: 3838)

(2) شبِ براءت کو جاگنا اور صبح روزہ رکھنا:

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جب شعبان کی پندرہویں رات ہو تو اس رات کو قیام کرو اور اس کے دن میں روزہ رکھو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات سورج غروب ہوتے ہی (اپنی شان کے لائق) آسمان دنیا کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور فرماتا ہے: کیا کوئی مجھ سے مغفرت طلب کرنے والا نہیں کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کیا کوئی مجھ سے رزق طلب کرنے والا نہیں کہ میں اسے رزق دوں؟ کیا کوئی مبتلائے مصیبت نہیں کہ میں اُسے عافیت عطا کر دوں؟ کیا کوئی ایسا نہیں؟ کوئی ایسا نہیں؟ (اسی طرح ارشاد ہوتا رہتا ہے) یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے۔" (سنن ابن ماجہ، باب ما جاء في ليلة النصف من شعبان، 1/444، رقم: 1388)

(3) قبرستان جانا اور جمیع مسلمانوں کیلئے بخشش کی دعا کرنا:

مسلمانوں کو چاہیے کہ اس رات میں اپنے گناہوں پر بھی توبہ کریں اور اپنے والدین، اساتذہ و رشتہ داروں کے لیے بھی اِستغفار کریں اور یہ عمل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ مبارکہ سے بھی ثابت ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی طویل حدیث مبارکہ بیان ہو چکی جس میں آپ نے بیان فرمایا:

”حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے کسی حصے میں اچانک ان کے پاس سے اٹھ کر کہیں تشریف لے گئے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جنت البقیع میں مومنین ومومنات اور شہداء کے لیے بخشش واستغفار کی دعا کرتے پایا۔“

اس حدیث مبارک سے تین باتیں ثابت ہوئیں:

(1) شبِ براءت کو اُٹھ کر عبادت کرنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔

(2) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ خاص صرف عبادت نہیں کی بلکہ اس رات مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع بھی تشریف لے گئے۔

(3) قبرستان جانا اور وہاں تمام مسلمانوں کے لیے بخشش ومغفرت کی دعا کرنا بھی سنت ہے۔

شعبان کی پندرھویں شب کے بارے میں وارد ہونے والی اَحادیث مبارکہ کے مطالعہ سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ اس مقدس رات قبرستان جانا، کثرت سے اِستغفار کرنا، شب بیداری اور کثرت سے نوافل ادا کرنا اور اس دن روزہ رکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولاتِ مبارکہ میں سے تھا۔

شبِ براءت کے اعمال اور دعائیں:

مذکورہ بالا دعاؤں کے ساتھ ساتھ اس رات درج ذیل دعا پڑھنا بھی مستحب ہے:

(1) اَللّٰهُمَّ إِنَّكَ عَفُوٌّ كَرِيْمٌ، تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّي اے اللہ! تُو بہت معاف کرنے والا اور کرم فرمانے والا ہے۔ عفو و درگزر کو پسند کرتا ہے پس مجھے معاف فرمادے۔“

(ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، 5/534، رقم:3513)

(2) فراخی رزق کے لیے دعا:

امام غزالی اِحیاءعلوم الدین میں فرماتے ہیں کہ شبِ برأت کی رات لوگ یہ دعا (کثرت سے) پڑھتے ہیں: صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جو بندہ یہ دعا پڑھے اللہ تعالیٰ ضرور اس کی معیشت (رزق) میں وسعت عطا فرماتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ يَا ذَا الْمَنِّ، وَلَا يُمَنُّ عَلَيْكَ، يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ، يَا ذَا الطَّوْلِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ، ظَهْرُ الاَّجِئِيْنَ، وَجَارُ الْمُسْتَجِيْرِيْنَ، وَمَأْمَنُ الْخَائِفِيْنَ، (اَللّٰهُمَّ) إِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي فِي أُمِّ الْكِتٰبِ عِنْدَكَ شَقِيًّا فَامْحُ عَنِّي اسْمَ الشَّقَاءِ وَأَثْبِتْنِي عِنْدَكَ سَعِيْدًا، وَإِنْ كُنْتَ كَتَبْتَنِي فِي أُمِّ الْكِتَابِ مَحْرُوْمًا مُقَتَّرًا عَلَيَّ رِزْقِي فَامْحُ عَنِّي، حِرْمَانِي وَتَقْتِيْرِ رِزْقِي، وَاثْبِتْنِي عِنْدَكَ سَعِيْدًا مُوَفَّقًا لِلْخَيْرِ، فَإِنَّكَ تَقُوْلُ فِي كِتَابِكَ "يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ أُمُّ الْكِتٰبِ"

"(اے اللہ!) اے احسان کرنے والے کہ تجھ پر احسان نہیں کیا جاتا! اے بڑی شان وشوکت والے! اے فضل والے! تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پریشان حالوں کا مددگار ہے، پناہ مانگنے والوں کو پناہ دینے والا ہے اور خوفزدوں کو امان دینے والا ہے۔ (اے اللہ!) اگر تو مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب (لوح محفوظ) میں شقی (بدبخت) لکھ چکا ہے، تو (اے اللہ!) میرا نام بدبختوں میں سے مٹادے اور مجھے اپنے پاس سعادت مند لکھ دے۔ اگر تو مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب (لوح محفوظ) میں محروم، رزق میں تنگی دیا ہوا لکھ چکا ہے، تو (اے اللہ!) مجھ سے میری محرومی اور تنگی رزق کو دور فرمادے اور (اپنے فضل سے) مجھے اپنے پاس اُمُّ الکتاب میں مجھے خوش بخت اور بھلائیوں کی توفیق دیا ہوا ثبت (تحریر) فرما دے۔ بے شک تو اپنی کتاب (قرآن مجید) میں فرماتا ہے:{اللہ جس (لکھے ہوئے) کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور (جسے چاہتا ہے) ثبت فرما دیتا ہے، اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوحِ محفوظ) ہے}۔"

(ابن ابی شیبہ، المصنف، 6/68، رقم:29530)

ان تمام احادیث اور بزرگان دین کے اقوال ہمیں اس بات کی طرف رہنمائی کرتے ہیں کہ اس ماہ مبارک کو اللہ پاک کے حضور خلوص دل سے عبادت اور نیکیوں میں گزاریں، درود پاک کی کثرت کریں، روزے رکھیں، شب برات میں خصوصی عبادات کا اہتمام کریں اور نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی اتباع کرتے ہوئے اس مہینے کو اپنے لئے ذریعہ اعمال صالحہ بنائیں تاکہ ہمیں اللہ رب العزت کی بارگاہ سے بے پناہ اجر وثواب ملے اور دنیا و آخرت میں فلاح ونجات ملے۔

ماہ رجب، شعبان اور رمضان میں بزرگانِ دین کے اعراس

از: مولانا احمد رضا اشرف

اولیاء اللہ و بزرگان دین وہ نفوسِ قدسیہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ بندے ہوتے ہیں چنانچہ اللہ جل و اعلیٰ اپنے اولیاء کے تعلق سے حدیثِ قدسی میں ارشاد فرماتا ہے کہ

"من عادی لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب"

یعنی جس شخص نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی، میرا اس کے ساتھ اعلان جنگ ہے۔(صحیح بخاری)، اور اسی طرح رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

"إن من عباد اللہ عبادا یغبطھم الأنبیاء والشھداء قیل من ھم یا رسول اللہ لعلنا نحبھم قال ھم قوم تحابوا فی اللہ من غیر أموال ولا أنساب وجوھھم نور علی منابر من نور لا یخافون إذا خاف الناس ولا یحزنون إذا حزن الناس ثم قرأ ألا إن أولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون"

یعنی رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے ہیں کہ انہیں دیکھ کر انبیاء اور شہداء بھی رشک کریں گے کہا گیا یا رسول اللہ وہ کون ہیں ؟ ممکن ہے ہم بھی ان سے محبت کریں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ وہ قوم ہے جو ایک دوسرے سے محبت اللہ کی رضا کی خاطر رکھتی ہے بغیر کسی مال و دولت یا نسب کے، ان کے چہرے نور کے منبروں پر نور والے ہوں گے، جب لوگ خوف زدہ ہوں گے انہیں کوئی خوف نہیں ہو گا، اور جب لوگ غمگین ہوں گے تو انہیں کوئی غم نہیں ہو گا، پھر آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾

یقیناً اللہ تعالیٰ کے اولیاپر کبھی نہ توخوف ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔(مسند ابی یعلیٰ)

مذکورہ بالا دونوں احادیث مبارکہ اور حدیثِ ثانی کی ضمن میں بیان کردہ آیت مبارکہ اولیاء اللہ اور بزرگانِ دین کی شان وعظمت اور فضیلت کو بیان کرتی ہیں۔

اولیاء، صلحاء اور بزرگان دین کا ذکر باعثِ رحمت وبرکت ہے چنانچہ اس حوالے سے حضرت سفیان بن عیینہ (علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ عند ذکر الصالحین تَنَزَّلُ الرحمة

یعنی نیک لوگوں کے ذِکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے،اور اسی طرح حضرت محمد بن یونس (علیہ الرحمہ)فرماتے ہیں:

”ما رأيت للقلب أنفع من ذكر الصالحين“

یعنی میرے خیال میں صالحین کا ذکر دل کے لیے زیادہ نفع بخش ہے۔اسی لیے ان جید علماء کرام کے فرمان پر عمل کرتے ہوئے یہاں پر بالخصوص اُن چند بزرگان دین کے حالات کو ذکر کیا جائے گا جن کا وصال ماہ رجب، شعبان اور رمضان میں ہوا ہے تاکہ ہم بھی صالحین کے ذکر کی برکتوں سے مستفید ہو سکیں۔

رجب المرجب

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا:

آپ کا ابتدائی نام ” برّۃ“ تھا ،جس کو رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے تبدیل فرما کر ”زینب“رکھا،آپ کی کنیت ”ام الحکم“ تھی۔آپ کے والد کا نام ”جحش بن رباب“ اور والدہ کا نام ”امیمہ بنت عبد المطلب“تھا،اس طرح آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پھوپھی زاد بہن ہوئیں۔

آپ کا پہلا نکاح رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا جو کے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے آزاد کردہ غلام اور متبنیٰ (منہ بولے بیٹے) تھے،جب دونوں کے مابین تعلقات خوشگوار نہ رہ سکے تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے اُن کو طلاق دینے کی اجازت مانگی۔آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اُن

کو معاملات کو مزید اَحسن کرنے کا مشورہ دیا لیکن جب تعلقات زیادہ ناخوشگوار ہونے لگے تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے انہیں طلاق دے دی۔

جب زید بن حارثہ (رضی اللہ عنہ) نے آپ کو طلاق دے دی تو عرب میں اس وقت تک متبنیٰ کو اصلی اولاد تصور کیا جاتا تھا اس لئے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم تامل فرماتے رہے، چونکہ یہ جاہلیت کی رسم تھی اس کا مٹانا مقصود تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 37 میں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کرنے کا حکم دیا۔

ام المؤمنین حضرت زینب بنت جحش (رضی اللہ عنہا) کا وصال 14 رجب المرجب 20 ہجری کو 53 سال کی عمر میں مدینۃ الرسول میں ہوا، آپ کی قبر انور جنت البقیع میں ہے۔

حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام" عباس " اور کنیت "ابو الفضل" ہے۔ آپ کے والد کا نام " عبد المطلب " ہے، اس طرح آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے چچا ہوئے، رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم آپ کو "والد " کہہ کر بھی پکارا کرتے تھے۔ آپ کی ولادت واقعہ عام الفیل سے 3 سال قبل مکہ میں ہوئی۔ زمانہ جاہلیت میں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) ان افراد میں سے تھے جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب سنِ تمیز کو پہنچے تو علم الانساب، علم التاریخ، علم الادیان میں مہارت حاصل کی، چونکہ عرب میں یہ علوم عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، خصوصاً علم الانساب، کیوں کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل (علیہما السلام) ہی کے زمانے سے برابر یہ خبر چلی آرہی تھی کہ عرب میں نسلِ اسماعیل ہی سے نبی آخر الزمان پیدا ہوں گے ، اس وجہ سے علم الانساب کا بہت خیال رکھا جاتا تھا۔ "شعب ابی اطالب " کے ان مشکل حالات میں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) نے رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا ساتھ نہ چھوڑا۔

جب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اعلان نبوت فرمایا تو اس وقت حضرت عباس کی عمر 43

سال تھی۔ آپ نے غزوہ بدر کے بعد اسلام کو ظاہر کیا۔ حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) کا نکاح حضرت لبابۃ الکبریٰ (رضی اللہ عنہا) سے ہوا، جو ام المومنین حضرت میمونہ (رضی اللہ عنہا) کی حقیقی بہن تھیں۔

آپ کا وصال 12 رجب المرجب 32 ہجری بروز جمعۃ المبارک 88 سال کی عمر میں ہوا، آپ کا مدفن جنت البقیع ہے۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ:

آپ کا نسبی تعلق اصفہان کے آب الملک کے خاندان سے تھا، آپ کا مجوسی نام "مابہ" تھا، اسلام لانے کے بعد آپ کا نام "سلمان" رکھا گیا آپ کی کنیت "ابو عبد اللہ" ہے۔ سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) ایران کے شہر اصفہان میں پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا تعلق زرتشتی مذہب سے تھا، مگر آپ نے حق کی تلاش میں پہلے عیسائیت اختیار کی اور مزید تلاشِ حق کو جاری رکھا، یہاں تک کہ آپ مدینہ منورہ میں غلام بن کر پہنچ گئے، جب رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو اس وقت حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) نے خاتم النبیین صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو اُن کی خصوصیات سے فوراً پہچان لیا کہ یہی اللہ کے سچے نبی ہیں اور انہوں نے مہرِ نبوت صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو بھی ملاحظہ فرمایا اور آپ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر ایمان لے آئے۔

ہجرت کے بعد رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کا حضرت ابو درداء (رضی اللہ عنہ) سے مواخاۃ یعنی بھائی چارہ قائم فرمایا۔ حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نے حضرت سلمان فارسی (رضی اللہ عنہ) کو "مدائن" کا گورنر مقرر کیا مگر وہاں جانے کے چند ہفتے بعد ہی آپ کا انتقال ہو گیا، آپ کی وفات 10 رجب المرجب 33 ہجری میں ہوئی۔ آپ کی قبر انور "مدائن" میں ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام "معاویہ" اور کنیت "ابو عبد الرحمن" ہے۔ آپ کے والد کا نام "ابو سفیان بن حرب" اور والدہ کا نام "ہندہ" ہے۔ آپ کا شجرہ نسب پانچویں پشت میں رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے مل جاتا ہے۔ آپ نے صلح حدیبیہ کے دن 7 ہجری میں

اسلام قبول کر لیا تھا۔ مگر مکہ والوں سے اپنا اسلام کو چھپائے رکھا۔ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے آپ کو کاتبِ وحی مقرر فرمایا۔ عہد فاروقی میں آپ کو دمشق کا حاکم مقرر کیا گیا، پھر دورِ عثمان میں آپ کو "دمشق"، "اُردن "اور "فلسطین" تینوں صوبوں کا والی مقرر کیا گیا اور اس پورے علاقہ کو" شام" کا نام دیا گیا۔

آپ کا وصال 22 رجب المرجب 60ہجری میں ہوا۔ آپ نے وصیت فرمائی کہ میرے پاس رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے کچھ ناخن مبارکہ ہیں جو میری آنکھوں پر رکھ دینا اور حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی قمیض اور تہبند میں مجھے کفن دینا اور آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے بال شریف میرے منہ اور ناک میں رکھ دینا اور پھر مجھے اللہ (جل واعلیٰ) کے سپرد کر دینا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ الرحمہ:

آپ کا نام صحابیِ رسول حضرت جعفر طیار (رضی اللہ عنہ) کی نسبت سے "جعفر" رکھا گیا اور آپ کی کنیت" ابو عبد اللہ "ہے اور آپ کا مشہور لقب "صادق" ہے۔ آپ کے والد کا نام "محمد باقر" ہے اور آپ کی والدہ کا نام "اُمّ فروہ" ہے۔ آپ کی ولادت جمعۃ المبارک 17 ربیع الاول 80ہجری کو مدینۃ النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم میں ہوئی۔

آپ نے اپنے والد گرامی سے روحانی تربیت حاصل کی اور اِن کے علاوہ آپ نے اپنے نانا جان فقیہ مدینۃ المنورہ امام قاسم بن محمد سے بھی اکتساب فیض کیا۔ امام اعظم ابو حنیفہ (علیہ الرحمہ) فرماتے ہیں کہ" ما رأيت أحدا أفقه من جعفر بن محمد "یعنی میں نے امام جعفر بن محمد سے بڑھ کر کسی کو فقیہ نہیں دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء)

آپ کا وصال 15 رجب 148ھ کو مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔

محمد بن ادریس شافعی علیہ الرحمہ:

آپ فقہائے اربعہ میں سے تیسرے امام ہیں، آپ کا نام "محمد بن ادریس" ہے اور آپ کی کنیت "ابو عبد اللہ" اور آپ کا لقب "شافعی" ہے۔ آپ قریش سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کا نسب آٹھ واسطوں سے حضرت عبد المطلب سے ملتا ہے۔

آپ کی والدہ کا نام "ام الحسن" ہے۔ آپ جب تک مدینہ منورہ میں مقیم رہے امام مالک(علیہ الرحمہ) سے پڑھتے رہے اور جب عراق آئے تو آپ نے امام محمد بن حسن شیبانی(علیہ الرحمہ) سے اکتساب فیض کیا۔ آپ کی ولادت 150 ہجری میں ہوئی۔ آپ بہت ذہین تھے،7 سال کی عمر میں قرآن مجید اور10 سال کی عمر میں حدیث شریف کی کتاب "مؤطا امام مالِک" صرف9 راتوں میں حفظ کر لی تھی (تاریخ بغداد)۔ امام احمد بن حنبل(علیہ الرحمہ) آپ کی شاگردی میں فخر محسوس کرتے تھے۔

آپ کی وفات بروز جمعۃ المبارک 30 رجب المرجب 204 ہجری میں ہوئی۔ آپ مزار مبارک مصر کے علاقہ "قرانہ" میں ہے۔

امام مسلم علیہ الرحمہ:

آپ کا شمار کبار محدثین کرام میں ہوتا ہے، مشہور زمانہ کتاب "صحیح مسلم" آپ کی تصنیف ہے۔ آپ کا نام "مسلم"، کنیت "ابو الحسن" اور لقب "عساکر الملت والدین" ہے۔ آپ کے والد کا نام "حجاج بن مسلم" ہے، آپ نسب کے اعتبار سے عرب کے مشہور قبیلہ "بنو قشیر" سے تعلق رکھتے ہیں اسی وجہ سے آپ "قشیری" کہلاتے تھے۔ آپ کی ولادت 206 ہجری میں ہوئی، آپ کا وطن نیشا پور ہے جو کہ خراسان کا مشہور و معروف شہر ہے۔

امام مسلم(علیہ الرحمہ) کا زمانہ علم حدیث کی نقل و روایت اور تدریس کا زمانہ تھا، آپ کا شہر نیشاپور خود علمِ حدیث کا اہم مرکز تھا جہاں حدیث کے بڑے بڑے حلقے قائم تھے آپ نے ابتداءً تعلیم وہیں سے حاصل کیا اور پھر تحصیل علم کے لیے دور دراز کا سفر طے کیا۔ امام مسلم(علیہ الرحمہ) کے وصال کا سبب بھی نہایت عجیب و غریب بیان کیا گیا ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی(علیہ الرحمہ) لکھتے ہیں کہ زندگی کے آخری ایام تک حدیث رسول کی تلاش و جستجو کا حیرت انگیز انہماک قائم رہا ایک دن مجلس مذاکرہ میں امام مسلم(علیہ الرحمہ) سے ایک حدیث کے بارے میں پوچھا گیا اس وقت آپ اس حدیث کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے تو گھر آکر اپنی کتابوں میں اس کی تلاش شروع کر دی قریب ہی کھجوروں کا ایک ٹوکرا رکھا ہوا تھا امام مسلم(علیہ الرحمہ) حدیث کی تلاش کے دوران ایک ایک کھجور

کو اٹھا کر کھاتے رہے، حدیث تلاش کرنے میں امام مسلم کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ کھجوروں کی مقدار کی جانب آپ کی توجہ نہ ہو سکی اور حدیث ملنے تک کھجوروں کا سارا ٹوکرا خالی ہو گیا اور غیر ارادی طور پر کھجوروں کا زیادہ کھالینا ہی آپ کی موت کا سبب بن گیا۔(تذکرۃ المحدثین)

آپ کا وصال بروز اتوار 24 رجب المرجب 261 ہجری کو ہوا۔

شعبان المعظم

حضرت سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا:

آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شہزادی ہیں ،آپ کا نام "ام کلثوم " ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسطرح سے ہے ام کلثوم بنت حضرت محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم ۔آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی تیسری شہزادی ہیں، آپ حضرت رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے چھوٹی ہیں اور آپ بھی حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پیدا ہوئیں ۔

جب رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اعلانِ نبوت فرمایا تو آپ بھی اپنی تمام بہنوں کے ہمراہ اسلام لے آئیں۔ اعلان نبوت سے پہلے نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہاکا نکاح ابو لہب کے بیٹے "عتیبہ" کے ساتھ کر دیا تھالیکن جب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اعلان نبوت فرمایا اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو قرآن کریم میں "سورہ لہب "نازل ہوئی جس میں ابو لہب اور اس کی بیوی کی مذمت کی گئی تو ابو لہب نے اپنے بیٹے عتیبہ سے کہا کہا:

محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بیٹی کو طلاق دے دو تو عتیبہ نے طلاق دے دی۔ حضرت رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے انتقال بعد 2 ہجری میں ام کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کر دیا گیا۔ آپ کا وصال شعبان المعظم 9 ہجری میں ہوا، رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

ام المؤمنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام ”رملہ“ اور کنیت ”ام حبیبہ“ ہے۔ آپ کے والد کا نام ”حضرت ابو سفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)“ اور والدہ کا نام ”صفیہ بنت عاص“ ہے۔ حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح پہلے عبید اللہ بن جحش سے ہوا تھا اور میاں بیوی دونوں اسلام قبول کر کے حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چلے گئے مگر حبشہ جاکر عبید اللہ بن جحش نصرانی ہو گیا اور عیسائیوں کی صحبت میں شراب پیتے پیتے مر گیا۔ لیکن ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنے ایمان پر ثابت قدم رہیں جب رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو اس بارے میں خبر ہوئی تو آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت عمرو بن امیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو ان کی دلجوئی کے لئے حبشہ بھیجا اور نجاشی بادشاہِ حبشہ کے نام خط بھیجا کہ تم میرے وکیل بن کر حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے ساتھ میرا نکاح کر دو۔

تو نجاشی بادشاہ نے اپنی لونڈی ”ابرہہ“ کے ذریعہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا پیغام حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کے پاس بھیجا جب حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) نے یہ خوشخبری کا پیغام سنا تو خوش ہو کر ”ابرہہ“ لونڈی کو انعام کے طور پر اپنا زیور اتار کر دے دیا پھر اپنے ماموں زاد بھائی حضرت خالد بن سعید (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو اپنے نکاح کا وکیل بنا کر نجاشی بادشاہ کے پاس بھیجا اور انہوں نے بہت سے مہاجرین کو جمع کر کے حضرت ام حبیبہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ کر دیا اور اپنے پاس سے مہر بھی ادا کر دیا اور پھر پورے اعزاز کے ساتھ حضرت شرجیل بن حسنہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کے ساتھ مدینہ منورہ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے پاس روانہ فرما دیا۔ آپ کا وصال 14 شعبان المعظم 44 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا اور آپ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

ام المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام ”حفصہ“ ہے، آپ کے والد کا نام ”عمر بن خطاب“ اور آپ کی والدہ کا نام ”زینب بن مظعون“ ہے۔ آپ کی ولادت بعثتِ نبوی سے پانچ سال پہلے ہوئی۔ آپ نے انہی دنوں میں اسلام قبول فرمالیا تھا جب آپ کے والد حضرت عمر بن خطاب

(رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے قبول فرمایا تھا، اس وقت آپ کی عمر تقریباً 10 سال تھی۔

آپ کا پہلا نکاح حضرت خنیس بن حذافہ بدری (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے ہوا، آپ کے شوہر کے انتقال کے بعد 3 ہجری میں آپ کا نکاح رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے ہوا۔ آپ کا وصال شعبان 45 ہجری میں ہوا، آپ کی نماز جنازہ حاکمِ مدینہ مروان بن حکم نے پڑھائی، آپ کا مدفن جنت البقیع ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ علیہ الرحمہ:

آپ فقہائے اربعہ میں سے پہلے امام ہیں ۔آپ کا نام "نعمان"، کنیت "ابو حنیفہ" اور لقب "امام اعظم" ہے، آپ کے والد نام "ثابت بن نعمان / زوطا" ہے۔ابو حنیفہ کنیت کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ابو حنیفہ کا مطلب ہے صاحب ملتِ حنفیہ، اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہر قسم کے باطل سے اعراض کرکے دین حق کو اختیار کرنے والا۔ اس غرض سے یہ کنیت اختیار کی ورنہ "حنفیہ" نام کی آپ کوئی صاحبزادی نہیں تھی۔ آپ کی ولادت 80 ہجری کو "کوفہ" میں ہوئی۔

آپ نے ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد سے تقریباً 20 سال کی عمر تک کاروبار کو مصروفیت کے طور پر اختیار کیا لیکن امام شعبی (علیہ الرحمہ) کی ہدایت پر علم دین کی طرف متوجہ ہوئے اور فقیہِ وقت امام حماد (علیہ الرحمہ) کے حلقہ درس سے وابستہ ہو کر فقہ، حدیث اور تفسیر جیسے علوم کو حاصل فرمایا۔ آپ نے کم و بیش چار ہزار مشائخ سے کسب علم فرمایا۔

آپ نے حضرت انس بن مالک (رضی اللہ عنہ) اور دیگر اصحاب رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی زیارت بھی کی ہے۔"اخبار ابی حنیفہ" میں امام عبد اللہ بن داؤد (علیہ الرحمہ) سے منقول ہے کہ

"لا یتکلم فی ابی حنیفة الا احد رجلین اما حاسد لعلمه واما جاهل بالعلم لا یعرف قدر حملته"

یعنی ابو حنیفہ پر ردّو قدح کرنے والا یا تو ان کے علم سے حسد کرنے والا ہے یا علم کے مرتبہ سے جاہل ہے وہ علم کے حاملوں کی قدر سے بے خبر ہے، اور "عقود الجمان" میں امام شافعی (علیہ الرحمہ) سے منقول ہے:

"جو آدمی فقہ میں ماہر ہونا چاہے وہ امام ابو حنیفہ کا محتاج ہو گا یہ بھی فرمایا کہ میں ابو حنیفہ (علیہ الرحمہ) سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں جانتا اور لوگ فقہ میں ابو حنیفہ (علیہ الرحمہ) کے عیال ہیں، جس نے امام ابو حنیفہ (علیہ الرحمہ) کی کتابیں نہیں دیکھیں وہ علم میں ماہر نہیں ہو سکتا اور نہ فقیہ ہو سکتا ہے" اور "سیر اعلام النبلاء" میں حضرت امام عبد العزیز بن ابی رواد (علیہ الرحمہ) سے منقول ہے:

" آپ (امام اعظم ابو حنیفہ) سے محبت اہل سنت کی علامت، اور آپ سے بغض اہل بدعت کی علامت ہے۔ امام ابو یوسف، امام محمد بن حسن شیبانی ، امام زفر بن ہذیل، امام حسن بن زیاد اور عبد اللہ بن مبارک (علیہم الرحمہ) جیسے جلیل القدر علماء آپ کے شاگرد ہوئے ہیں۔ آپ کا وصال 2 شعبان 150 ہجری کو ہوا، آپ کا مزار "اعظمیہ" عراق میں ہے۔

لعل شہباز قلندر علیہ الرحمہ:

آپ کا نام " محمد عثمان" اور لقب "لعل شہباز قلندر" ہے۔ آپ کے والد کا نام "کبیر الدین بن شمس الدین" ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے حضرت سیدنا امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) سے ملتا ہے۔ آپ کی ولادت 538ہجری کو" آذربائیجان" کے ایک قصبہ "مروند" میں ہوئی اسی علاقے کی نسبت سے آپ "مروندی" کہلاتے ہیں۔

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے حاصل کی اور سات سال کی عمر میں قرآن کریم مکمل حفظ کر لیا، مزید علوم دینیہ کی تکمیل لیے اپنے وقت کے جید علماء کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے۔ آپ کو "لعل" کہنے کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آپ کا چہرہ ایسے چمکتا تھا جیسے "لعل" چمکتا تھا اس وجہ سے آپ کو "لعل شہباز" کہتے ہیں۔ صحیح قول کے مطابق آپ حضرت ابو اسحاق محمد ابراہیم قادری (علیہ الرحمہ) سے بیعت ہوئے، جبکہ بعض کے قول کے مطابق آپ بہاؤ الدین زکریا ملتانی (علیہ الرحمہ) کے مرید تھے۔ آپ، بہاؤ الدین زکریا (علیہ الرحمہ) کے مدرسہ میں صدرالمدرسین کے منصب پر فائز تھے۔

آپ کا وصال 21 شعبان المعظم 673ہجری کو ہوا، آپ کا مزار "سیہون" میں مرجع خاص وعام ہے۔

ام المؤمنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام "خدیجۃ الکبریٰ"، کنیت "ام ہندہ" اور لقب "سیدہ" اور "طاہرہ" ہے۔ آپ کے والد کا نام "خویلد بن اسد" اور والدہ کا نام "فاطمہ بنت زائدہ" ہے۔ آپ کی ولادت واقعہ فیل سے 15 برس پہلے ہوئی تھی۔ آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں آپ جب تک بقید حیات رہیں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے دوسرا نکاح نہیں فرمایا، جس وقت آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا نکاح حضرت خدیجۃ الکبری (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے ہوا اس وقت آپ کی عمر 40 برس اور رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی عمر 25 برس تھی۔

آپ کا وصال 65 برس کی عمر میں 10 رمضان المبارک 10 نبوی کو مکہ مکرمہ میں ہوا اور آپ کی تدفین جنت المعلیٰ میں ہوئی، اس وقت تک نماز جنازہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا اس وجہ سے آپ کی نماز جنازہ نہیں ادا کی گی۔ آپ کے وصال کے کچھ ایام قبل ہی آپ کے چچا ابو طالب کا بھی انتقال ہوا تھا جس کا صدمہ ابھی تک قلب اطہر پر موجود تھا کہ اسی دوران ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا وصال بھی ہو گیا تو اس وجہ سے آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اس سال کو عام الحزن یعنی "غم کا سال" قرار دیا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا:

آپ کا نام "عائشہ"، کنیت "ام عبد اللہ" اور لقب "صدیقہ" اور "حمیراء" ہے۔ آپ کے والد کا نام "ابو بکر صدیق" اور والدہ کا نام "زینب" ہے۔ بعض تاریخ دانوں نے آپ کا سن ولادت 5 نبوی بتایا ہے۔

رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے آپ کا نکاح اعلانِ نبوت کے دسویں سال شوال میں ہجرت سے تین سال پہلے ہوا اور شوال 2 ہجری میں مدینہ منورہ میں آپ کی رخصتی ہوئی، قریباً 9 برس آپ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی صحبت میں رہی، تمام ازواج مطہرات میں آپ ہی کنواری تھیں اور آپ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی محبوب ترین زوجہ تھیں۔

آپ کا وصال 17 رمضان المبارک 57 یا 58 ہجری کو مدینہ منورہ میں ہوا، آپ کی نماز جنازہ حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے پڑھائی اور آپ کی تدفین جنت البقیع میں ہوئی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) فرماتی ہیں کہ مجھے دوسری ازواج پر دس فضیلتیں حاصل ہیں۔

1: رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے میرے سوا کسی دوسری کنواری عورت سے نکاح نہیں فرمایا۔

2: میرے سوا ازواجِ مطہرات میں سے کوئی بھی ایسی نہیں جس کے ماں باپ دونوں مہاجر ہوں۔

3: اللہ تعالیٰ نے میری براءت اور پاک دامنی کا بیان آسمان سے قرآن میں نازل فرمایا۔

4: نکاح سے قبل حضرت جبریل (علیہ سلام) نے ایک ریشمی کپڑے میں میری صورت لا کر رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو دکھلا دی تھی اور آپ تین راتیں خواب میں مجھے دیکھتے رہے۔

5: میں اور رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم ایک ہی برتن میں سے پانی لے لے کر غسل کیا کرتے تھے۔

6: رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نماز تہجد پڑھتے تھے اور میں آپ کے آگے سوئی رہتی تھی۔

7: میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے ساتھ ایک لحاف میں سوئی رہتی تھی اور آپ پر اللہ (جل واعلیٰ) کی وحی نازل ہوا کرتی تھی۔

8: وفاتِ ظاہری کے وقت میں رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا سر مبارک اپنی گود میں لیے ہوئے بیٹھی تھی اور اسی حالت میں آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا وصالِ ظاہری ہوا۔

9: رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا وصال ظاہری میری باری میں ہوا۔

10: رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی قبرِ انور خاص میرے گھر میں بنی۔ (زرقانی)

شہدائے بدر رضی اللہ عنہم:

غزوہ بدر 17 رمضان 2 ہجری بروز جمعہ کو ہوا۔ اس میں تقریباً 1000 کافر شریک تھے جبکہ کافروں کے مقابلے میں مسلمان صرف 313

تھے، غزوہ بدر میں 70 کافر مارے گئے اور 70 قیدی بنے، جبکہ اس غزوہ میں صرف 14 صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سے 6 کا تعلق مہاجرین سے، 2 کا تعلق انصار کے قبیلے اوس سے اور 6 کا تعلق انصار کے قبیلے خزرج سے تھا۔

شہداءِ بدر کہ نام یہ ہیں:۔

1: حضرت عبیدہ بن الحارث، 2: حضرت عمیر بن ابی وقاص، 3: حضرت ذوالشمالین عمیر بن عبد عمرو، 4: حضرت عاقل بن ابی بکیر، 5: حضرت مہجع، 6: حضرت صفوان بن بیضاء، 7: حضرت سعد بن خیثمہ، 8: حضرت مبشر بن عبدالمنذر، 9: حضرت حارثہ بن سراقہ، 10: حضرت معوذ بن عفراء، 11: حضرت عمیر بن حمام، 12: حضرت رافع بن معلی، 13: حضرت عوف بن عفراء، 14: حضرت یزید بن حارث (رضی اللہ عنہم)۔ (سیرت ابن ہشام)

حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا:

آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شہزادی ہیں، آپ کا نام "رقیہ" اور کنیت "ام عبداللہ" ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسطرح سے ہے رقیہ بنت حضرت محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی دوسری شہزادی ہیں، آپ حضرت زینب (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے 3 برس چھوٹی ہیں اور آپ کی ولادت اعلان نبوت سے 7 سال پہلے ہوئی، آپ بھی حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پیدا ہوئیں۔

اعلان نبوت سے پہلے نبی اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے حضرت رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح ابو لہب کے بیٹے "عتبہ" کے ساتھ کر دیا تھا۔ لیکن جب آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اعلان نبوت فرمایا اور قرآن مجید کا نزول شروع ہوا تو قرآن کریم میں "سورہ لہب" نازل ہوئی جس میں ابو لہب اور اس کی بیوی کی مذمت کی گئی تو ابو لہب نے اپنے بیٹے عتبہ سے کہا کہ محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بیٹی کو طلاق دے دو تو عتبہ نے طلاق دے دی۔ بعدِ طلاق حضرت رقیہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا نکاح حضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے کر دیا گیا۔

آپ دونوں نے پہلے حبشہ اور پھر مدینہ کی طرف ہجرت کی اسی بناء آپ "ذو الہجرتین" کہلائے۔

آپ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) کا وصال 20 برس کی عمر میں 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو ہوا، غزوہ بدر کی وجہ سے رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے آپ کا جنازہ نہیں پڑھایا، آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔ آپ کے شکم سے ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام "عبد اللہ" تھا، اس کا انتقال 4 ہجری میں ہوا۔

حضرت فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا:

آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شہزادی ہیں، آپ کا نام "فاطمہ"، کنیت "ام الحسنین" اور لقب "خاتون جنت"، "زہراء" اور "بتول" ہے۔ آپ کا سلسلہ نسب اسطرح سے ہے فاطمہ بنت حضرت محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بن عبد اللہ بن عبد المطلب بن ہاشم۔

آپ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی چوتھی شہزادی ہیں، آپ حضرت ام کلثوم (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے چھوٹی ہیں، آپ بھی حضرت خدیجہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے پیدا ہوئیں۔ آپ کی ولادت اعلانِ نبوت سے 5 سال یا 1 سال پہلے مکہ مکرمہ میں 20 جمادی الثانی بروز جمعۃ المبارک کو ہوئی۔ خاتونِ جنت کے بارے میں رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:

"إذا كان يوم القيامة نادى مناد من وراء الحجاب يا أهل الجمع، غضوا أبصاركم عن فاطمة بنت محمد۔ صلى الله عليه و آله وسلم حتى تمر"

یعنی قیامت کے دن ایک ندا کرنے والا پردے میں سے ندا کرے گا، اے محشر والو! اپنی نگاہوں کو جھکالو اور اپنے سروں کو جھکالو یہاں تک کہ فاطمہ بنت محمد صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم گزر جائیں" (مستدرک)

آپ کا نکاح 2 ہجری میں غزوہ بدر سے واپسی پر رمضان المبارک میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا، اس وقت آپ کی عمر 15 سال اور حضرت علی کی عمر 21 سال تھی اور آپ کی رخصتی ذوالحجہ میں ہوئی۔ آپ کے جہیز میں ایک چادر، ایک تکیہ، چمڑے کا گدا جس میں کھجور کی

چھال بھری ہوئی تھی، دو چکیاں اور پانی کے دو مشکیزے شامل تھے۔

آپ کا وصال 3 رمضان المبارک 11 ہجری میں ہوا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور آپ کو جنت البقیع میں دفن کیا گیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ:

آپ کا نام " علی"، کنیت "ابو تراب"، "ابو الحسن "اور لقب " اسد اللہ "، "مرتضی"اور "مولا مشکل کشا" ہے آپ کے والد کا نام "ابو طالب" اور والدہ کا نام "فاطمہ بنت اسد" ہے، آپ کا سلسلہ نسب علی بن ابو طالب بن عبد المطلب بن ہاشم ہے، آپ رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے چچازاد بھائی اور داماد ہیں۔

آپ کی ولادت 13 رجب المرجب بروز جمعۃ المبارک عام الفیل کے 30 سال بعد شہر مکہ میں ہوئی۔ امام سیوطی علیہ الرحمہ نے "تاریخ الخلفاء "میں لکھاہے کہ جتنی احادیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں وارد ہوئی ہیں کسی اور صحابی کی فضیلت میں وارد نہیں ہوئی ہیں۔

ہجرتِ مدینہ کے بعد غزوات کا سلسلہ شروع ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات میں شرکت فرمائی۔ آپ رضی اللہ عنہ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے وصال کے بعد اُن کے غسل اور تجہیز و تکفین میں بھی شریک رہے۔ رسول اکرم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم سے آپ کو "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" کی سند ملی۔ امیر المؤمنین حضرت علی کَرَّمَ اللہُ تَعَالٰی وَجْھَہُ الْکَرِیم

تقریباً 4 سال 8 مہینے 9 دن تک مسند خلافت پر رہے۔ 17 یا 19 رمضان المبارک کو ایک بدبخت کے قاتلانہ حملے سے شدید زخمی ہو گئے اور بروز اتوار 21 رمضان المبارک 40 ہجری کو دار فانی سے دار البقاء میں کوچ کر گئے۔

واقعہ معراج النبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

از: مولانا دانیال سہیل عطاری

رب العالمین نے مخلوق کی ہدایت کیلئے انبیائے کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا تمام انبیائے کرام اپنے اپنے وقت پر تشریف لائے اور دین کی تبلیغ کرتے رہے ہر نبی کو کچھ نہ کچھ عطا کیا گیا۔ کچھ کو صحیفے، کچھ کو آسمانی کتابیں اور کچھ کو معجزات جس نبی علیہ السلام کی سیرت کا مطالعہ کریں ہمیں معلوم ہو گا کہ اس صاحب ذی شان ہستی کو رب العالمین نے یہ یہ کمالات عطا فرمائے۔

مگر جب باری آئی میرے اور آپ کے نبی نبی رحمت حضور خاتم النبیین صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم کی تو رب العالمین نے یہ نہیں کہا اے میرے سوہنے آپ کو یا تو معجزات ملیں گے یا کتاب بلکہ رب العالمین نے اپنے محبوب کی تخلیق اس انداز سے کی کہ محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم سر سے لیکر قدمین شریفین تک مکمل معجزہ تھے اور پھر رب العالمین نے آسمانی کتاب سے بھی نوازا یعنی جہاں انبیاء کو کچھ صحیفے عطا کیے گئے وہیں جب رب العالمین کے محبوب کی باری آئی تو کچھ نہیں بلکہ جو کچھ تھا وہ سب کچھ عطا کیا گیا اپنی مقدس کتاب قرآن پاک عطاء کر دی ایسی کتاب جس میں کوئی شک نہیں جس کا حرف، حرف حق و صداقت کی تصدیق کرتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی حقانیت پر دلیل معجزہ ہوتی ہے۔ ہمارے پیارے نبی کو بہت معجزات عطا کیے گئے، آج ہم فقط ایک معجزہ کا ذکر کریں گے۔ آئیں پہلے معجزہ کی تعریف و اقسام بیان کرتے ہیں!

معجزہ کسے کہتے ہیں؟:

اعلانِ نبوت کے بعد نبی سے ایسا عجیب و غریب کام ظاہر ہو جو عادتاً ممکن نہیں ہوتا وہ ''معجزہ'' کہلاتا ہے۔

معجزے کی تین قسمیں:

(1) **لازمی معجزات** : جیسے خوشبو دار پسینہ۔(2) **عارضی اختیاری معجزات:** جیسے عصا کا اژدھا بن جانا۔ (3) **عارضی غیر اختیاری معجزات:** جیسے آیاتِ قرآنیہ کا نزول۔

(مراۃ المناجیح،ج8،ص53)

معجزے کے ذریعے سچے اور جھوٹے نبی میں فرق ہوتا ہے اس لئے کوئی جھوٹا ''نبوت کا دعویٰ'' کرکے معجزہ نہیں دکھا سکتا۔ (المعتقد المنتقد، ص113)

اللہ تعالٰی نے ہمارے نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو جن مُعجِزات سے مُشرّف فرمایا اُن میں سفر معراج نہایت عظیمُ الشّان ہے کہ آپ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے اپنے جسمانی وُجود کے ساتھ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کا سفر کیا، پھر وہاں سے آسمانوں اور اس سے بالا جنّت و عرش کی سیر کی اور خداوندِ قُدّوس کی بے شمار نشانیوں اور عجائبات کا مُشاہَدہ فرمایا، اور یہ ساری سیر اور مُشاہَدات رات کے بہت مختصر حصے میں کیے، حالانکہ سفر کی تفصیلات کے پیشِ نظر عام عقل کے مطابق جسمِ انسانی کے ساتھ یہ چیزیں ممکن نہیں، اور ممکن مانیں بھی تو اِس سیر کی تکمیل کے لئے لاکھوں سال چاہئیں۔

معراج کے متعلق عقیدۂ اہلِ سنّت:

حکیمُ الامّت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃُ اللہِ علیہ فرماتے ہیں:

بیتُ اللہ شریف سے بیتُ المقدس تک کی جسمانی معراج قطعی یقینی ہے،اس کا انکار کفر ہے۔بیت المقدس سے آسمان بلکہ لامکان تک کی معراج کا اگر اس لیے انکار کرتا ہے کہ آسمان کے پھٹنے کو ناممکن مانتا ہے تو بھی کافر ہے کہ اس میں آیاتِ قرآنیہ کا انکار ہے ورنہ گمراہ ہے۔

مزید لکھتے ہیں کہ آیۃ کریمہ ''سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ سے بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ''

تک بیت المقدس تک کی معراج کا ذکر ہے اور ''لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا'' میں آسمانی معراج کا ذکر ہے اور ''اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ'' میں لامکانی معراج کا ذکر ہے۔(مراۃ المناجیح،8/135)

معراج جسمانی ہے یا روحانی:

علامہ احمد سعید شاہ کاظمی صاحب فرماتے ہیں:

حضور نبی اکرم نور مجسم سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کے خصائص اور اشرف فضائل و کمالات اور روشن ترین معجزات و کرامات سے یہ امر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فضیلت اسراء و معراج سے وہ خصوصیت و شرافت عطا فرمائی جس کے ساتھ کسی نبی اور رسول کو کو مشرف و مکرم نہیں فرمایا اور جہاں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچایا کسی کو وہاں تک پہنچنے کا شرف نہیں بخشا اور اللہ تعالیٰ نے اس عظیم و جلیل واقعہ کے بیان کو لفظ

"سبحان" سے شروع فرمایا جس کا مفاد اللہ کی تنزیہ اور ذات باری کا ہر عیب و نقص سے پاک ہونا ہے ۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ واقعات معراج جسمانی کی بناء پر منکرین کی طرف سے جس قدر اعتراضات ہو سکتے تھے ان سب کا جواب ہو جائے۔ مثلاً حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اقدس کے ساتھ بیت المقدس یا آسمانوں پر تشریف لے جانا اور وہاں سے "ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی" کی منزل تک پہنچ کر تھوڑی دیر میں واپس تشریف لے آنا منکرین کے نزدیک ناممکن اور محال تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لفظ "سبحان" فرما کر یہ ظاہر فرمایا

کہ یہ تمام کام میرے لئے ناممکن اور محال ہوں تو یہ میری عاجزی اور کمزوری ہو گی اور عجز و ضعف عیب ہے اور میں عیب سے پاک ہوں۔

اسی حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے "اسریٰ" فرمایا جس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانے والا نہیں فرمایا بلکہ اپنی ذات کو لے جانے والا فرمایا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لفظ "سبحان اسریٰ" فرما کہ معراج جسمانی پر ہر اعتراض کا جواب دیا ہے اور اس سے معلوم ہوا۔ آیت "اسریٰ" کا پہلا لفظ ہی معراج جسمانی کی روشن دلیل ہے۔ واللہ الحمد۔ (دُرّۃ التاج فی مسئلۃ المعراج، ص4، مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

جمہور سلف و خلف کا یہی عقیدہ ہے۔ اور صحابہ کرام بھی اس بات کے قائل ہیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بحالت بیداری اور جسمانی معراج ہوئی ہے۔ اب کوئی شخص معراج شریف کے محال ہونے پر دلائل قائم کرے تو ہمارا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ہم معراج کو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا

معجزہ کہتے ہیں۔ اور معجزہ وہ ہے جس کا وقوع مادۃ محال ہو اور انکار کرنے والوں کو عاجز کرنے کے لئے وہ کمال ایک نبی کی ذات سے ظاہر ہو۔ اب یہ بات واضح ہوگئی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، علم وقدرت، عظمت وحکمت پر پوری طرح ایمان لایا ہے۔ اور پھر حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نبوت ورسالت، صداقت اور کمالات کی دل سے تصدیق کرتا ہے، وہ واقعہ معراج یا اس قسم کے معجزات کا انکار نہیں کر سکتا۔

کیونکہ قادر مطلق جب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو براق برق رفتار پر سوار کر کے بڑی راحت اور تکریم کے ساتھ چشم زدن میں زمین سے مقام "اَوْ اَدنیٰ" سے لے گیا۔ تو اس کی قدرت کے آگے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی معراج اور آپکے کمالات کا انکار قدرت الٰہی کا انکار ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے معراج کی آیت کو لفظ "سُبحان" سے شروع کیا۔ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی توحید اور کمالات کو بے عیب جانتا ہے۔ وہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو عقل کی کسوٹی سے نہیں جانچتا۔

ترا مسندِ ناز ہے عرشِ بریں
تِرا محرم راز ہے رُوحِ امیں
تُو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا
تِرا مِثل نہیں ہے خدا کی قسم

علامہ فیض محمد قادری صاحب اپنی مایہ ناز تصنیف "دُرّۃ التاج فی مسئلۃ المعراج" صفحہ 20 پر 31 صحابہ کرام اور 4 صحابیات کے اسماء ذکر کرتے ہیں جن سے حدیث معراج روایت کی گئی ہے۔

شب معراج اور روح غوث اعظم رضی اللہ عنہ

مصنف کتب کثیرہ ماہر علم وفن شارح جامع ترمذی، شیخ الحدیث، استاذ الاساتذہ، فخر اہلسنت حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ہاشم خان عطاری مدنی رئیس دار الافتاء اہلسنت لاہور داتا دربار آپ اپنی مشہور تصنیف "معراج النبی اور معمولات و نظریات" کے صفحہ 214 پر تحریر فرماتے ہیں۔

سوال: سنا ہے کہ معراج کی رات غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح اس وقت حاضر ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہونے لگے اور

سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن پر قدم رکھ کر براق پر سوار ہوئے، کیا اس کی کچھ حقیقت ہے؟

جواب: امام اہل سنت مجدد دین وملت امام احمد رضا خان رحمہ اللہ علیہ اس طرح کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں اس کی اصل حضرات مشائخ کرام رحمہ اللہ (کے کلمات میں) میں مذکور (ہے)۔

فاضل عبد القادر قادری بن شیخ محی الدین اربلی "تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر رضی اللہ تعالی عنہ" میں لکھتے ہیں کہ جامع شریعت و حقیقت شیخ رشید بن محمد جنیدی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کتاب حرز العاشقین میں فرماتے ہیں:

ان ليلة المعراج جاء جبرئيل عليه السلام ببراق الى رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم اسرع من البرق الخاطف الظاهر، ونعل رجله كالهلال الباهر، و مسماره كالانجم الظواهر، ولم يأخذه السكون والتمكين ليركب عليه النبى الامين، فقال له النبى صلى الله عليه وسلم، لم لم تسكن يا براق حتى اركب على ظهرك، فقال روحى فداء لتراب نعلك يا رسول الله اتمنى ان تعاهدنى ان لا تركب يوم القيمة على غيرحين دخولك الجنة فقال النبى صلى الله عليه وسلم يكون لك ماتمنيت، فقال البراق التمس ان تضرب يدك المباركة على رقبتى ليكون علامة لى يوم القيمة، فضرب النبى صلى الله تعالى عليه وسلم يده على رقبة البراق، ففرح البراق فرحا حتى لم يسع جسده روحه و نمى اربعين ذراعا من فرحه وتوقف فى ركوبه لحظة لحكمة خفية ازلية، فظهرت روح الغوث الاعظم رضى الله تعالى عنه وقال يا سيدى ضع قدمك على رقبتى واركب، فوضع النبى صلى الله تعالى عليه وسلم قدمه على رقبته وركب، فقال قدمى على رقبتك وقدمك على رقبة كل اولياء الله تعالى انتهى

ترجمہ: شب معراج جبریل امین علیہ الصلوۃ والسلام خدمت اقدس حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں براق حاضر لائے کہ چمکتی اُچک لے جانے والی بجلی سے زیادہ تیز رفتار تھا، اور اس کے پاؤں کا نعل آنکھوں میں چکاچوند ڈالنے والا ہلال اور اس کی کیلیں جیسے روشن تارے۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سواری کے لئے اسے قرار

وسکون نہ ہوا، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس سے سبب پوچھا: بولا: میری جان حضور کی خاک نعل پر قربان، میری آرزو یہ ہے کہ حضور مجھ سے وعدہ فرمالیں کہ روز قیامت مجھی پر سوار ہو کر جنت میں تشریف لے جائیں۔

حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: ایسا ہی ہوگا۔ براق نے عرض کی میں چاہتا ہوں حضور میری گردن پر دست مبارک لگا دیں کہ (یہ نشان) روز قیامت میرے لیے علامت ہو۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ دست اقدس لگتے ہی براق کو وہ فرحت و شادمانی ہوئی کہ روح اس مقدار جسم میں نہ سمائی اور طرب سے پھول کر چالیس ہاتھ اونچا ہو گیا۔ حضور پر نور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک حکمت نہانی ازلی کے باعث ایک لحظہ سواری میں توقف ہوا کہ حضور سید ناغوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روح مطہر نے حاضر ہو کر عرض کی:

اے میرے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم حضور اپنا قدم پاک میری گردن پر رکھ کر سوار ہوں، سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گردن مبارک پر قدم اقدس رکھ کر سوار ہوئے اور ارشاد فرمایا: میرا قدم تیری گردن پر اور تیرا قدم تمام اولیاء اللہ کی گردنوں پر۔

(تفریح الخاطر فی مناقب الشیخ عبد القادر المنقبۃ الاول، عن 24.25، سن دار الاشاعت علویہ رضویہ، فیصل آباد)

معراج النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کا مختصر واقعہ جو بخاری و مسلم و دیگر کتب احادیث میں بیان ہوا کہ رجب کی ستائیسویں شب ہے۔ رات کا آخری حصہ ہے، محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنی ہمشیرہ اُمّ ہانی کے دولت خانہ میں آرام فرمارہے ہیں۔ جبرائیل امین براق اور براءت لے کر حاضر ہوئے۔ پیغام الٰہی لائے محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو بیدار کیا۔ رب کا پیغام پہنچایا۔ سینہ مبارکہ کو چاک فرما کر آب زم زم سے قلب مبارک کو دھویا اور اس سینہ فیض گنجینہ کو حکمت و نور سے بھر دیا۔ پھر کوثر کے پانی سے غسل کرایا۔ اور محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کو دولہا بنایا۔ بہشتی حلہ پہنایا۔ براق حاضر کیا۔

☆ براق کو براق اس لیے کہتے ہیں کہ اس کی رفتار مثل براق (بجلی) کے ہے۔ یا اس لیے کہ بلکل

سفید ہے۔ اس کا جسم خچر سے بڑا، اور گھوڑے سے کسی قدر چھوٹا۔ جہاں تک اس کی نگاہ کام کرے وہاں تک کی مسافت ایک قدم میں طے کرے۔

تھا براق نبی یا کہ نور نظر
یہ گیا وہ گیا اور نہاں ہو گیا

☆ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے براق کی لگام پکڑی ۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام پیچھے کھڑے ہوئے۔ ملائکہ نے چار طرف سے براق کو گھیر لیا۔ اس شان سے فرشتوں کے جھرمٹ میں معراج کے دولہا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی سواری مکہ معظمہ سے روانہ ہوئی۔ آن کی آن میں بیت المقدس سامنے آیا۔ وہاں تمام انبیاء ورسل و ملائکہ علیہم السلام کو موجود پایا کہ استقبال کے لیے حاضر ہیں اور نماز کی تیاری ہے، امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا انتظار ہے، دولہا کا پہنچنا تھا۔ کہ سب نے سلامی مجریٰ ادا کیا، تمام انبیاء و ملائکہ مقتدی بن کر پیچھے صف بستہ کھڑے ہو گئے، اور حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے امام فرمائی، سبحان اللہ کیا نماز ہے کہ انبیاء مقتدی اور امام الانبیاء امام، پہلا قبلہ جائے نماز، ملائکہ مقربین مؤذن حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آذان واقامت دی۔

نماز اسری میں تھا یہ ہی سر
عیاں ہوں معنیٰ اول آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر
جو سلطنت پہلے کر گئے تھے
اُتار کر اُن کے رُخ کا صَدقہ
یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا
کہ چاند سورج مچل مچل کر
جبیں کی خیرات مانگتے تھے

☆ آج اول و آخر کے معنیٰ کھلے کہ خاتم النبیین (آخری رسول) پہلے سلطانوں کی امام فرما رہے ہیں۔ اس نماز سے فارغ ہونا تھا کہ سفر آسمان تیار تھا۔ وہ ہی براق اور وہ ہی اس کی رفتار، وہ ہی برات، وہ ہی دولہا۔

☆ آن کی آن میں پہلے آسمان پر پہنچے، حضرت آدم علیہ السلام نے استقبال کیا، اپنے فرزند کی بلائیں لیں، مدتوں بعد تمنا بر آئی، مرحبا کہا، پھر یکے بعد دیگر آسمان آتے گئے گزرتے گئے۔ ہر

آسمان پر مختلف انبیائے کرام علیہم السلام سے ملاقاتیں ہوتی ہیں۔

☆ دوسرے آسمان پر حضرت یحییٰ و حضرت عیسیٰ ملاقات ہوئی۔

☆ تیسرے آسمان پر حضرت یوسف سے۔

☆ چوتھے آسمان پر حضرت ادریس سے۔

☆ پانچویں آسمان پر حضرت ہارون سے

☆ چھٹے آسمان پر "حضرت موسیٰ" سے

☆ ساتویں آسمان پر حضرت ابرہیم علیہم السلام زیارت سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔

یہاں سے گزرنا تھا کہ سدرہ سامنے آیا۔ یہ سدرہ حضرت جبرائیل کے لیے سَدِّراہ بن گیا۔

بفور صدا سماں یہ بندھا
یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا
سفوف سما نے سجدہ کیا
ہوئی جو اذاں تمھارے لیے

سدرہ کس کو کہتے ہیں؟ یہ سدرہ ایک بیری کا درخت ہے۔ جس کے پتے ہاتھی کے کان کے برابر اور اس کے پھل مٹکے کی طرح ہیں۔ یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی قیام گاہ ہے۔ کہ اس کے آگے ان کی پہنچ نہیں۔ سدرہ پر پہنچ کر حضرت جبرائیل نے آگے جانے سے معذرت کی ۔ فرمایا آپ علیہ السلام نے! جبرائیل یہ تو طریقہ نہیں ہے کہ ساتھ چھوڑ دو۔ جبرائیل امین نے عرض کیا!

اگر یک سر موئے برتر برم
فروغ تجلے بسوزد پرم

آگے بڑھنا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان ہے۔ اب اگر میں بال برابر بھی آگے جاؤں، تجلیات کی تاب نہ لاسکوں۔

سدرہ سے چلے حضور، آگے پروردگار جانے یا وہ جانے والے محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم جانیں۔ کہ کہاں گئے، وہاں گئے کہ جہاں، لفظ کہاں ہی ختم ہو چکا تھا، کب اور کہاں تو مکان و زمان کے لیے ہے، جہاں سرکار رونق افروز ہیں، وہاں نہ زمانہ ہے نہ مکان۔

کوئی بتائے تو کیا بتائے، رب نے کیا دیا، محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے کیا لیا، رب نے کیا فرمایا!، محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے کیا سنا۔ یاربّ العالمین و محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ

وسلَّم میں کیاراز و نیاز ہوئے، یہ تو دینے والا اور لینے والے ہی جانتے ہیں۔ قرآن نے بھی یہ بھید نہ کھولا، بلکہ یوں فرمایا کہ!

فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی ﴿۱۰﴾

ترجمہ: پھر اس نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو اس نے وحی فرمائی۔(سورہ نجم، آیت:10)

موسیٰ علیہ السلام سے رب العالمین نے طور پر جو کچھ خلوت میں فرمایا، وہ تمام قرآن کے ذریعہ دنیا میں شائع کر دیا گیا۔ دیکھو (سورۂ طٰہ)، مگر جو اسرار محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر معراج کی رات میں ظاہر کئے وہ صیغہ راز ہی میں کھو گئے۔

ہاں اتنا معلوم ہے کہ وہاں سے امت کے لیے تحفہ پچاس وقت کی نمازوں کا دن رات میں عطاء ہوا۔ واپسی پر حضرت موسیٰ نے عرض کیا کہ یا محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم! یہ نمازیں تو بہت ہیں' کم کرائی جائیں۔ اب بارگاہ رب اور موسیٰ علیہ السلام کے مابین محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی بار بار حاضری ہوتی رہی۔ اور پانچ پانچ نمازیں کم ہوتی رہیں، یہاں تک کے پانچ نمازیں رہ گئیں۔ یہ پانچ نمازیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمنا تھی کہ طور پر جمال الٰہیٰ دیکھنا چاہا تھا، روک دیا گیا۔

آج مجھے موقع ملا ہے کہ محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بار بار جمال کبریا کا مشاہدہ کریں، اور میں ان آنکھوں سے رخ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے آئینہ میں جمال الٰہیٰ کو خوب دل بھر کر زیارت کروں۔

اقول: حضور علیہ السلام نے رب سے ملاقات کیلئے ایک مرتبہ حاضری دی لیکن جب امت مسلمہ کی باری تو محبوب کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم 9 مرتبہ رب کے حضور حاضر ہوئے اور امت کیلئے سوال کیا! حضور صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم اپنے لیے ایک مرتبہ اور اپنی امت کیلئے 9 مرتبہ حاضر ہوئے۔

پھر کیوں ایسے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی شان بیان کرنے میں کنجوسی و بخل سے کام لیں جو نبی و مولا ہمیں معراج کی شب بھی سب سے زیادہ یاد رکھیں آج ہم امتی اس نبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی ہی نافرمانیوں میں مصروف عمل رہیں یہ سب امتیوں کیلئے لمحہ فکریہ ہے ہمیں اس پر سوچنا چاہیے۔

جو آج 5 وقت کی نماز پڑھنا مشکل و بوجھ سمجھتے ان کو 50 نمازیں دے دی جاتیں تو آج ان کی کیا کیفیت ہونی تھی؟ یہ عشق کے فیصلے ہیں جیسی محبت ہمارے مولا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ہم (امتیوں) سے کی کاش ہم اس کا حق ادا کرنے والے بن جائیں۔

تو بدیں جمال و خوبی سر عرش گر خرامی
اَرِنی بگوید آں کس کہ بگفت لن تَرَانی
جو آکّھاں نے دلبر ڈٹھا او تک لیاں
توں ملیوں تو ساجن ملیا ہن آساں لگ پیاں

جنت کی سیر اور دوزخ میں ہونے والے عذابات کو ملاحظہ کیا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے سفر معراج میں جنت کی سیر فرمائی۔ اپنے غلاموں کے باغات اور عمارتوں کا معائنہ فرمایا ۔گناہگاروں کے عذاب اور اپنے دشمنوں کے عقاب کو دیکھا۔

پھر ایک جماعت کو ملاحظہ فرمایا کہ وہ دوزخ میں گرم پتھر کھا رہی ہے۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کیا کہ یہ وہ مالدار ہیں جو کہ اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں نکالتے۔

ایک شخص کو ملاحظہ فرمایا کہ خون کے درمیان کھڑا پتھر کھا رہا تھا، جبرائیل امین نے عرض کیا: یہ سود خور ہیں۔

ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا جن کی زبانیں اور ہونٹ لوہے کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں۔ جبرائیل امین نے عرض کیا: یہ عالم بے عمل ہیں۔

ایک اور قوم کو دیکھا جس کے ناخن تانبے کے ہیں۔ وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے زخمی کر رہے ہیں۔ حضرت جبرائیل امین نے عرض کیا! کہ یہ مسلمانوں کی غیبت کرنے والے ہیں۔ غرضکہ ہر قوم کا حال ملاحظہ فرمایا۔

مگر یہ ملاحظہ بطور مثال کے تھا۔

کہ انبیاء کرام کی آنکھیں گزشت اور آئندہ کی باتوں کو مثل حالت موجودہ کے مشاہدہ فرماتی ہیں۔ ورنہ یہ سب واقعات تو بعد قیامت نمودار ہوں گے۔ بغیر تشبیہ اس طرح سمجھو کہ ہم کبھی خواب میں آئندہ کے واقعات بطور مثال دیکھ لیتے ہیں۔ مگر ہماری یہ خوابیں یقینی نہیں ہوتیں۔ ان حضرات کا مشاہدہ یقینی ہے۔ اسی طرح بعد موت قیامت سے پہلے میت کی روح جنت یا دوزخ کی سیر کرتی ہے۔

ارواح شہداء جنت میں جاتی ہیں مگر یہ جانا روحانی ہوتا ہے نہ کہ جسمانی، بعد قیامت جانا جسمانی ہو گا۔ برزخ کے مقابلے میں دنیا مثل خواب ہے اور آخرت کے مقابلہ میں برزخ مثل خواب۔

تمام سیر و سیاحت سے جب واپس تشریف لائے تو ابھی بستر گرم تھا۔ اور مبارک دروازے کی زنجیر حرکت کر رہی تھی۔

تقریباً 80 ہزار سال کا سفر ایک آن میں طے فرمایا۔ صبح کو جب اس واقعہ کی خبر دی، تو حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی للہ عنہ بلا تامل تصدیق فرما کر صدیق بنے اور ابو جہل وغیرہ نے اس واقعے کی تردید کر کے زندیقی کا طوق اپنے گلے میں ڈالا۔

یہ مختصر انداز واقعہ معراج النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم بیان کیا گیا۔

واقعہ معراج النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم مکمل ہوا، مالک کائنات ہمیں معراج النبی صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کے صدقے علم نافع عطا فرمائے اور نیکیوں والی زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے ہمارا ہمارے والدین جاننے والوں کا خاتمہ بالخیر بالایمان فرمائے

آمین ثم آمین طہٰ ویٰسین صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ محمد و آلہ وسلم

واقعۂ معراج اور اعلیٰ حضرت کا انوکھا انداز

از: مولانا سید محمد جنید البخاری الحسینی

"معراج" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شایانِ شان اور عظیم الشان معجزہ ہے۔ اس معجزہ کو بیان کرنے کے لیے ہزاروں صفحات درکار ہیں۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا وہ معجزہ تھا جس کی حقیقت کو جاننے کے لیے عقلیں حیران ہیں۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں دو مقامات (سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ النجم) میں واقعہ معراج کو بیان فرمایا اور کئی احادیث میں اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔

ہمارا موضوع اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری کے ذریعے واقعۂ معراج کو بیان کرنا ہے لیکن یہ بات بھی ناقابلِ فراموش ہے کہ ہم اگر ان تمام اشعار کو ذکر کریں جو اعلیٰ حضرت نے معراج کے متعلق لکھے تو ایک ضخیم کتاب معرضِ وجود میں آجائے۔ اس کی مثال قصیدہ معراجیہ ہے جو کہ 67 اشعار پر مشتمل ہے۔ اگر میں اس قصیدے کو اعلیٰ حضرت کی کرامت کہوں تو بے جانہ ہو گا۔ فن سخن کے ماہرین آج تک قصیدہ معراجیہ کو پڑھ کر انگشت بدنداں ہیں۔ یقینا جو بنظرِ عمیق قصیدہ معراجیہ کو سمجھ کر پڑھ لے وہ اعلیٰ حضرت سے محبت کیے بغیر رہ نہیں پائے گا۔

ذیل میں ہم اعلی حضرت کی شاعری کا سہارا لیتے ہوئے واقعہ معراج کو مختصراً بیان کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

(اہل ذوق حضرات سے معذرت خواہ ہوں کہ مضمون کی طوالت کے خوف سے کئی اشعار کی کما حقہ تشریح نہیں ہو پائے گی)

معراج کا واقعہ بعثت کے گیارہویں سال اور ہجرت سے دو سال پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مشہور قول کے مطابق یہ واقعہ 27 رجب کو وقوع پذیر ہوا۔(مراۃ المناجیح،ج8،ص481)

اللہ پاک نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو فرشتوں کی معیت میں بھیجا کہ وہ اس کے حبیب اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطے قرب وزیارت کے بارگاہ خداوندی میں لے آئیں۔

(تفسیر روح البیان،ج5،ص106)

اعلی حضرت نے اس بات کو بیان کرتے ہوئے اس قرآنی واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا جس میں حضرت سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ پاک کی بارگاہ میں عرض کی:

رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡكَ (یارب مجھے اپنا دیدار کرا میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں) تو اللہ پاک کی جناب سے یہ ارشاد ہوا: لَنۡ تَرٰىنِیۡ (تم مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے)۔

اعلی حضرت فرماتے ہیں کہ ایک طرف تو طالبِ دیدار کو "لَنۡ تَرٰىنِیۡ" کا جواب ملا اور دوسری طرف خود خداوندِ قدوس طالبِ وصلِ محبوب ہوا۔ ملاحظہ فرمایئے۔

تبارک اللہ شان تیری
تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوشِ لَنۡ تَرٰىنِیۡ
کہیں تقاضے وصال کے تھے

اور فرمایا:

حور سے کیا کہیں موسیٰ سے مگر عرض کریں
کہ ہے خود حسنِ ازل طالب جانانِ عرب

معراج کی رات جب حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کھڑے ہو کر چشمِ نرگسیں کے کھلنے کے منتظر رہے حکم پہنچا "قَبِّلْ قَدَمَیۡهِ" (جبریل! میرے محبوب کے قدم چوم کر انہیں بیدار کر)۔ جبریل امین نے اپنے کافوری ہونٹ پائے اقدس پر رکھ دیے اور کافور کی ٹھنڈک سے چشمِ دل نواز کھلی۔

(الحقائق فی شرح الحدائق،ج2،ص122)

اعلی حضرت اس دلنشین منظر کو یاد کر کے عشق کے جذبات میں سرشار ہو کر لکھتے ہیں:

تاجِ روح القدس کے موتی جسے سجدہ کریں
رکھتی ہیں واللہ وہ پاکیزہ گوہر ایڑیاں

پھر میرے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتوں کے جھرمٹ میں خانہ کعبہ لے جا کر دولہا کی مانند تیار کیا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک کو چاک کیا گیا اور قلب انور کو نکال کر آب زمزم سے دھویا گیا پھر ایمان و حکمت سے بھرے ہوئے ایک طشت کو آپ کے سینۂ اقدس میں انڈیل کر شکم اطہر کا چاک برابر کیا گیا۔

(تفسیر روح البیان، ج5، ص103)

میرے رضا حضور کی معراج کی شب تیاریوں کو یاد فرما کر لکھتے ہیں:

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ
یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑہ

کہ چاند سورج مچل مچل کر
جبیں کی خیرات مانگتے تھے

وہی تو اب تک چھلک رہا ہے
وہی تو جو بن ٹپک رہا ہے

نہانے میں جو گرا تھا پانی
کٹورے تاروں نے بھر لیے تھے

بچا جو تلووں کا ان کے دھوون
بنا وہ جنت کا رنگ و روغن

جنہوں نے دولہا کی پائی اترن
وہ پھول گلزارِ نور کے تھے

خبر یہ تحویلِ مہر کی تھی کہ
رُت سہانی گھڑی پھرے گی

وہاں کی پوشاک زیب تن کی
یہاں کا جوڑا بڑھا چکے تھے

پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جنتی سواری "براق" کو لایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: براق سفید جانور تھا۔ گدھے سے اونچا، خچر سے چھوٹا تھا۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفی، ج، ص115)

براق کی رفتار کا عالم یہ تھا کہ تا حدِ نگاہ اپنا قدم رکھتا، بلندی پر چڑھتے ہوئے اس کے ہاتھ چھوٹے اور پاؤں لمبے ہو جاتے اور نیچے اترتے ہوئے ہاتھ

لمبے اور پاؤں چھوٹے ہو جاتے جس کی وجہ سے دونوں صورتوں میں اسکی پیٹھ برابر رہتی اور سوار کو کسی قسم کی مشکلات کا سامنا نہ ہوتا۔

(صحیح بخاری، الحدیث:3887)

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

کہتی تھی یہ براق سے اس کی سُبُک رَوِی
یوں جایئے کہ گردِ سفر کو خبر نہ ہو

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا اور اس کے قریب تشریف لائے تو اس نے خوشی سے پھولے نہ سماتے ہوئے اچھل کود شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے اپنا ہاتھ اس کی گردن کے بالوں کی جگہ رکھا اور فرمایا:

اے براق! تجھے حیا نہیں آتی؟ خدائے ذوالجلال کی قسم! حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کرامت و عزت والی کوئی ہستی تجھ پر سوار نہیں ہوئی۔ یہ سن کر براق حیا کے مارے پسینے پسینے ہو گیا اور اچھل کود ختم کر کے پر سکون ہو گیا۔

(تفسیر روح البیان، ج5، ص108)

میرے امام نے براق اور اس کی کیفیات کو اپنے اشعار میں کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

عجب نہ تھا رخش کا چمکنا
غزال دم خوردہ سا بھڑکنا

شعاعیں بکے اڑا رہی تھیں
تڑپتے آنکھوں پہ صاعقے تھے

براق کے نقشِ سُم کے صدقے
وہ گل کھلائے کہ سارے رستے

مہکتے گلبن لہکتے گلشن
ہرے بھرے لہلہا رہے تھے

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم براق پر تشریف فرما ہو کر بیت المقدس روانہ ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عالی کو ظاہر کرنے کے لیے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیائے کرام علیہم السلام کو جمع کیا گیا تھا۔ آپ نے وہاں پر تمام انبیاء کی امامت فرمائی۔ (سنن نسائی، الحدیث:448)

میرے رضا فرماتے ہیں:

نماز اقصیٰ میں تھا یہی سِر
عیاں ہوں معنیٔ اول آخر

کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر
جو سلطنت آگے کر گئے تھے

مکہ مکرمہ سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ اقصیٰ کی طرف روانہ ہوئے تو آپ فرماتے ہیں: مَرَرْتُ بِقَبْرِ مُوسَى فَإِذَا هُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي یعنی میں قبرِ موسیٰ کے پاس سے گزرا تو وہ اپنی قبر میں کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔(صحیح مسلم، حدیث:2375)

امامِ اہلسنت اس واقعے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سرِ عرش پر ہے تری گزر
دلِ فرش پر ہے تری نظر

ملکوت و ملک میں کوئی شے نہیں
وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

پھر محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ساتوں آسمانوں کی سیر کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ تک جا پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے اور جبریل امین وہیں رک گئے اور آگے جانے سے معذرت خواہ ہوئے۔ اور کہا کہ اگر میں یہاں سے انگلی کے ایک پورے جتنا بھی آگے بڑھا تو جل کر خاکستر ہو جاؤں گا۔

(الحقائق فی شرح الحدائق، ج4، ص91)

میرے امام نے سدرۃ المنتہیٰ اور وہاں پر فرشتوں کا حال کچھ اس طرح بیان کرتے ہیں۔

پوچھتے کیا ہو عرش پر یوں گئے مصطفیٰ کہ یوں
کیف کے پر جہاں جلیں کوئی بتائے کیا کہ یوں

اور فرمایا:

چلا وہ سروِ چماں خراماں
نہ رک سکا سدرہ سے بھی داماں

پلک جھپکتی رہی وہ کب کے
سب این و آں سے گزر چکے تھے

جھلک سی اک قدسیوں پر آئی
ہوا بھی دامن کی پھر نہ پائی

سواری دولہا کی دور پہنچی

براۃ میں ہوش ہی گئے تھے

تھکے تھے روح الامیں کے بازو
چُھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو

رکاب چھوٹی امید ٹوٹی
نگاہِ حسرت کے ولولے تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب سدرۃ المنتہیٰ سے آگے بڑھے تو آپ نے فرمایا: اے جبرائیل! رب کی طرف کوئی حاجت ہو تو بتاؤ۔

جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: اے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم! آپ اللہ پاک سے میرے لیے یہ سوال کریں کہ قیامت کے دن آپ کی امت جب پل صراط سے گزرے تو میں ان کے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھا دوں تا کہ وہ آسانی سے گزر جائیں۔ (تفسیر روح البیان، ج5، ص121)

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

اہلِ صراط روح امیں کو خبر کریں
جاتی ہے امت نبوی فرش پر کریں

اعلیٰ حضرت نے اس بات کو یاد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کی، یا رسول اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم!

پل سے اتارو راہ گزر کو خبر نہ ہو
جبریل پر بچھائیں تو پر کو خبر نہ ہو

بالآخر میرے آقا کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم عرش پر جا پہنچے۔

اعلیٰ حضرت نے عشق بھرے انداز میں عرش کی کیفیت کو بیان کیا، فرماتے ہیں

سنا یہ اتنے میں عرشِ حق نے
کہ لے مبارک ہو تاج والے

وہی قدم خیر سے پھر آئے
جو پہلے تاجِ شرف ترے تھے

یہ سن کے بے خود پکار اُٹھا
نثار جاؤں کہاں ہیں آقا ﷺ

پھر ان کے تلووں کا پاؤں بوسہ
یہ میری آنکھوں کے دن پھرے تھے

جھکا تھا مجرے کو عرشِ اعلیٰ
گرے تھے سجدے میں بزمِ بالا

یہ آنکھیں قدموں سے مل رہا
تھا وہ گرد قربان ہو رہے تھے

عرش کو اپنی برکتوں سے نوازتے ہوئے آپ لامکاں کے مکیں ہوگئے۔ میرے امام فرمانے لگے:

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے
سرِ عرش تخت نشیں ہوئے

وہ نبی ہے جس کے ہیں یہ مکاں
وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

پیارے آقا صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم فرماتے ہیں:

کسی ندا دینے والے نے ابو بکر کی آواز میں مجھے پکارا اور کہا، ٹھہریے! آپ کا رب آپ پر درود بھیج رہا ہے۔(الیواقیت والجواہر، ص433)

میں اسی خیال میں تھا کہ کیا ابو بکر مجھ سے پہلے یہاں پہنچ آئے؟ حتی کہ خدا کی بارگاہ سے ندا آئی:

أُدْنُ يَا خَيْرَ الْبَرِيَّة (اے تمام مخلوق سے بہتر! قریب آیئے) أُدْنَ يَا أَحْمَد أَنْ يَا مُحَمَّد (اے پیارے احمد! اے پیارے محمد! قریب آیئے)۔

(تفسیر روح البیان، ج5، ص121)

میرے رضا اس خوبصورت منظر کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:

بڑھ اے محمد قریں ہو احمد
قریب آ سرورِ ممجد
نثار جاؤں یہ کیا ندا تھی
یہ کیا سماں تھا یہ کیا مزے تھے

پھر اللہ پاک نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان قربتوں سے نوازا جو اولین و آخرین میں کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ جس کو قرآن مجید نے کچھ اس طرح بیان فرمایا:

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝۸ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝۹

پھر وہ جلوہ قریب ہوا پھر اور زیادہ قریب ہو گیا تو دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

میرے رضا فرماتے ہیں:

اٹھے جو قصرِ دنا کے پردے
کوئی خبر دے تو کیا خبر دے

وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی
نہ کہہ کہ وہ بھی نہ تھے ارے تھے

اللہ پاک اور اس کے بندۂ خاص صلی اللہ علیہ وسلم میں راز و نیاز کا خصوصی کلام (رب اور بندۂ خاص کے شایانِ شان) ہوا۔

جس کا تذکرہ اللہ پاک نے قرآن مجید میں کچھ اس طرح فرمایا:

فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى ﴿۱۰﴾

پھر اس نے اپنے بندے کو وحی فرمائی جو اس نے وحی فرمائی۔

یعنی محبوب و محب کے اسرار و رموز کسی پر آشکار نہیں ہوئے۔ امامِ عشق و محبت فرماتے ہیں:

نہ روحِ امیں نہ عرشِ بریں
نہ لوحِ مبیں کوئی بھی کہیں

خبر ہی نہیں جو رمزیں کھلیں
ازل کی نہاں تمہارے لئے

اور فرمایا:

زبان کو انتظارِ گفتن تو
گوش کو حسرتِ شنیدن

یہاں جو کہنا تھا کہہ لیا تھا
جو بات سننی تھی سن چکے تھے

ایک اور مقام پر تغزل کے رنگ میں اس بات کو یوں بیان فرمایا:

غنچے مَاۤ اَوْحٰى کے جو چٹکے دنیٰ کے باغ میں
بلبلِ سدرہ تک ان کی بو سے بھی محرم نہیں

اللہ پاک نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کا تحفہ دیا اور سلام و تحیت کے نورانی ہار حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے پر نور گلے میں ڈالے۔

(تفسیر روح البیان، ج5، ص121)

میرے امام فرماتے ہیں:

ادھر سے تھیں نذرِ شہ نمازیں
ادھر سے انعام خسروی میں

سلام و رحمت کے ہار گندھ کر
گلوئے پرنور میں پڑے تھے

معراج کی شب جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر مقامات اور چیزیں دکھائی گئیں وہیں آپ نے جنت کی بھی سیر فرمائی۔

اس بات کو میرے رضا کس خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ سینے اور سر دھنیے!

وہ برجِ بطحا کا ماہ پارہ
بہشت کی سیر کو سدھارا

چمک پہ تھا خلد کا ستارہ
کہ اس قمر کے قدم گئے تھے

سرورِ مقدم کی روشنی تھی
کہ تابشوں سے مہِ عرب کی

جناں کے گلشن تھے جھاڑ فرشی
جو پھول تھے سب کنول بنے تھے

جب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے واپس آئے تو ابھی رات کا سماں تھا، سپیدۂ سحر کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ زنجیرا ابھی ہل رہی تھی، بستر ابھی گرم تھا اور وضو کا پانی بہہ رہا تھا۔

(الحقائق فی شرح الحدائق، ج4، ص135)

اعلی حضرت فرماتے ہیں:

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے
کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے

ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ
نور کے تڑکے آلیے تھے

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اپنے اشعار کے ذریعے جس طرح واقعۂ معراج کو بیان کیا ہم اس سمندر میں سے ایک قطرہ بھی بیان نہ کرسکے اور اپنی کوتاہ بینی و کم علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اس مضمون کو اعلیٰ حضرت کے ان اشعار پر ختم کرتے ہیں:

بندہ ملنے کو قریبِ حضرتِ قادر گیا
لمعۂ باطن میں گمنے جلوۂ ظاہر گیا
اللہ اللہ یہ عُلُوِّ خاصِ عبدیت رضاؔ
بندہ ملنے کو قریب حضرتِ قادِر گیا

واہ کیا بات ہے امام اعظم کی!

از: مولانا محمد شاہد علی اشرفی فیضانی

الحمدللہ ہم اہل سنت وجماعت ہیں۔ ہم قرآن وحدیث اور ائمہ دین کو ماننے والے ہیں۔ دنیا جانتی ہے کہ امام چار ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

یہ چاروں ائمہ برحق ہیں ان میں سے کسی ایک کی اتباع وپیروی کرنا ہر مسلمان پر واجب وضروری ہے اور ان میں سے کسی ایک کی اتباع کرنے والے کو مقلد کہتے ہیں اور جو ان میں سے کسی ایک کی بھی اتباع و پیروی نہ کرے وہ غیر مقلد ہے۔ جسے آج کے زمانے میں اہل حدیث بھی کہا جاتا ہے، اہل حدیث یہ بڑے گمراہ وبدمذہب اور بدتمیز قسم کے لوگ ہیں، ان کی باتوں کوماننا اور ان پر عمل کرنا اپنے ایمان وعقیدے کو برباد کرنا ہے۔

لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ ان گمراہ لوگوں سے اپنے آپ کو بچائیں، ان سے دور رہیں ان کے مکر وفریب میں نہ آئیں اللہ پاک ہر مسلمان کو ان گمراہ لوگوں سے بچائے۔

ان چاروں ائمہ میں سب سے بڑا مرتبہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ الحمد اللہ ہم امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد اور ان کے ماننے والے ہیں، اللہ پاک نے آپ کو بے پناہ علم اور خوبیوں سے نوازا ہے۔ آیئے ذیل میں آپ کے تعلق سے کچھ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

کون ہیں امام اعظم ابو حنیفہ؟

آپ کوفہ کے ایک تابعی بزرگ ہیں۔ آپ کی ولادت باسعادت 80 ہجری میں کوفہ میں ہوئی، آپ کا نام نعمان اور والد ماجد کا نام ثابت ہے۔ آپ

کی کنیت ابوحنیفہ اور القاب" امام اعظم، امام الائمہ، کاشف الغمہ، امام المسلمین، سراج الامہ، سند الفقہا والمجتہدین، امام الاولیاء والمحدثین" ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہ نسلاً فارسی تھے، آپ کے آباء واجداد سرزمین فارس کے شہر انبار کے رہنے والے تھے۔ بعض مؤرخین نے بابل بھی لکھا ہے۔ اس سلطنت فارس کا پایہ تخت "کوفہ" تھا۔ امام اعظم ابوحنیفہ کے علاوہ فقہائے ثلاثہ میں سے کوئی بھی اہل فارس میں سے نہ تھا۔ (امام المحدثین، مؤلف عبد اللہ بن حسین حنفی نیشاپوری، ص:11)

امام اعظم کے حق میں نبوی بشارت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر دین اوج ثریا پر بھی ہوا تو اہل فارس یا ابنائے فارس میں سے ایک شخص اسے وہاں سے بھی پالے گا۔ (صحیح مسلم شریف، فضائل صحابہ حدیث:2546)

ائمہ حدیث نے اس حدیث میں بشارت نبوی کا اطلاق امام اعظم پر کیا ہے۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری امت میں ایسا شخص پیدا ہوگا جسے نعمان کہا جائے گا اور اس کی کنیت ابوحنیفہ ہوگی، وہ اللہ تعالیٰ کے دین اور میری سنت کو زندہ کرے گا۔ (امام اعظم رضی اللہ عنہ، مصنف علامہ سید شاہ تراب الحق قادری علیہ الرحمہ، ص:46)

حضرت علامہ موفق بن احمد مکی رحمۃ اللہ علیہ (م، 578ھ) نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!

حضرت لقمان کے پاس حکمت کا اتنا بڑا ذخیرہ تھا کہ اگر وہ اپنے خرمن حکمت سے ایک دانہ بیان فرماتے تو ساری دنیا کی حکمتیں آپ کے سامنے دست بستہ کھڑی ہوتیں۔

یہ سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال آیا کہ کاش میری امت میں کوئی شخص ایسا ہوتا جو حضرت لقمان کی حکمت کا سرمایہ ہوتا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام دوبارہ حاضر ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کی امت میں ایک ایسا مرد ہوگا جو حکمت کے خزانے

سے ہزاروں حکمتیں بیان کرے گا اور آپ کی امت کو آپ کے احکام سے آگاہ کرے گا۔

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ سن کر حضرت انس کو اپنے پاس بلایا اور ان کے منہ میں اپنا لعاب دہن عنایت فرمایا اور وصیت کی کہ ابو حنیفہ کے منہ میں یہ امانت ڈالنا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ امانت یعنی لعاب دہن امام اعظم کو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی وساطت سے ملی۔

(ایضاً)

آپ نے ابتداء میں قرآن پاک حفظ کیا، پھر تقریباً 4000 علماء و محدثین کرام سے آپ نے علم دین حاصل کیا، یہاں تک کہ آپ اپنے وقت کے جلیل القدر محدث وفقیہ بن گئے، اور ہر سو آپ کے علم کا شہرہ ہو گیا۔ آپ تابعی بزرگ ہیں (تابعی اسے کہتے ہیں جس نے حالت ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی سے شرف ملاقات حاصل کی ہو اور حالت ایمان میں وفات پائی ہو) الحمد للہ ہمارے امام، امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کئی ایک صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل کیا۔ جن کے اسماء گرامی کچھ اس طرح محدثین کرام نے بیان فرمائے ہیں:

(1) حضرت سیدنا انس بن مالک (2) حضرت سیدنا عبداللہ بن اوفی (3) حضرت سیدنا سہل بن ساعدی اور (4) حضرت سیدنا ابو الطفیل عامر بن واصلہ کا نام سر فہرست ہے۔

(شرح مسند امام اعظم ابی حنیفہ، ص:581)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تابعی ہونے کے متعلق جب شیخ الاسلام حافظ ابنِ حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا تو انہوں نے یہ جواب دیا:

امام ابو حنیفہ نے صحابہ کرام کی ایک مبارک جماعت کو پایا ہے۔ آپ کی ولادت ایک روایت کے مطابق 80ھ میں کوفہ میں ہوئی۔ وہاں اس وقت صحابہ کرام میں سے سیدنا عبداللہ بن ابی اوفی موجود تھے، ان کا وصال 88ھ میں یا اس کے بعد ہوا۔ اسی زمانہ میں بصرہ میں سیدنا انس بن مالک تھے۔ ان کا انتقال 90ھ میں یا اس کے بعد ہوا۔ ابن سعد نے مضبوط سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے حضرت انس کو دیکھا ہے۔ ان دونوں صحابیوں کے

علاوہ بھی بکثرت صحابہ مختلف شہروں میں ان کے بعد زندہ موجود تھے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابو معشر طبری شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ میں صحابہ کرام سے امام اعظم کی مروی احادیث بیان کی ہیں اور فرمایا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ان سات صحابہ کرام سے ملاقات کی ہے

(1)سیدنا انس بن مالک(2)سیدنا عبد اللہ بن حارث (3) سیدنا جابر بن عبد اللہ (4) سیدنا معقل بن یسار (5) سیدنا واثلہ بن الاسقع (6)سیدنا عبد اللہ بن انیس (7)سیدتنا عایشہ بنت عجرد رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

سات صحابہ کرام سے روایت کرنے کا ذکر خود امام اعظم نے بھی کیا ہے۔ آپ کا ارشاد گرامی ہے " میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سات صحابہ سے ملا ہوں اور میں نے ان سے احادیث سنی ہیں "۔(امام اعظم رضی اللہ عنہ ، مصنف ، علامہ سید شاہ تراب الحق قادری علیہ الرحمہ ، ص:51،52)

در مختار میں ہے کہ امام صاحب نے 20 صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔ اور خلاصہ ء اکمال فی اسماء الرجال میں ہے کہ 26 صحابہ کرام کو دیکھا ہے۔

(سوانح بے بہا امام اعظم ابو حنیفہ، ص:62)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی ہیں۔

آپ کو ابو حنیفہ کیوں کہتے ہیں؟

اس بارے میں مؤرخین کا اختلاف ہے' آیئے ہم آپ کو واضح طور پر سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ چنانچہ مؤرخین نے لکھا ہے کہ حنیفہ تانیث ہے حنیف کی۔یعنی عبادت کرنے والا اور دین کی طرف راغب ہونے والا۔ تذکرہ نگاروں میں سے زیادہ تر اس طرف گئے ہیں کہ آپ کے صرف ایک بیٹے تھے جن کا نام آپ نے حماد رکھا تھا، ان کے علاوہ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ان افراد نے آپ کی کنیت ابو حنیفہ کی چند توجیہات کی ہیں۔

ڈاکٹر حمید اللہ نے لکھا ہے "کوفہ کی مسجد میں وقف کی چار سو دواتیں طلبہ کے لیے ہمیشہ رہتی تھیں اور یقیناً ابو حنیفہ کے سینکڑوں شاگرد ہوں گے"۔

استاذ عبد الحکیم جندی نے لکھا ہے آپ کا حلقہ درس وسیع تھا، آپ کے شاگرد اپنے ساتھ قلم دوات رکھا کرتے تھے ، چونکہ اہل عراق دوات کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کو ابو حنیفہ کہا گیا یعنی دوات والے۔ بعض نے کہا ہے آپ

شدت سے حق کی طرف راغب اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے لہذا آپ کو ابو حنیفہ کہا گیا۔ اور لکھا ہے کہ آپ مستعمل پانی کو جائز نہیں سمجھتے تھے اس لیے آپ کے متبعین نے ٹوٹیوں (نلکوں) کا استعمال شروع کیا چونکہ ٹوٹی (نلکا) کو حنیفہ کہتے ہیں اس لیے آپ کا نام ابو حنیفہ پڑ گیا۔

حافظ شمس الدین نے لکھا ہے "بعض افراد نے کہا ہے کہ آپ کی ایک بیٹی حنیفہ نام کی تھی لہذا آپ ابو حنیفہ ہوئے۔ لیکن آپ کے تذکرہ نگاروں میں سے ایک جماعت نے یقین کے ساتھ کہا ہے کہ آپ کی کوئی بیٹی نہ تھی اور بیٹا بھی بجز حماد کے اور کوئی نہ تھا۔ (سوانح بے بہا امام اعظم ابو حنیفہ، ص:59،60)

حصول علم دین کی رغبت:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ ابتدائی دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد تجارت کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آپ فرماتے ہیں میں ایک دن بازار جا رہا تھا کہ کوفہ کے مشہور امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے مجھ سے کہا بیٹا کیا کام کرتے ہو؟ میں نے عرض کی بازار میں کاروبار کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا تم علماء کی مجلس میں بیٹھا کرو، مجھے تمہاری پیشانی پر علم و فضل اور دانشمندی کے آثار نظر آ رہے ہیں۔ ان کے اس ارشاد نے مجھے بہت متاثر کیا اور میں نے علم دین کے حصول کا راستہ اختیار کیا۔

(مناقب للموفق: ص84)

امام اعظم اپنے استاذ کی نظر میں:

امام حماد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عادت تھی کہ محفل میں آتے تو نہایت خاموش بیٹھتے۔ اپنے وقار اور آداب محفل کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ ہم ان کی نشست و برخاست کو بھی علمی تربیت کا حصہ تصور کرتے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ مشکل سوال کرنے لگے بعض اوقات مجھے ان کے حل کرنے میں دقت محسوس ہوتی اور مجھے خوف

آتا کہ اگر ان کے استفسارات کا تسلی بخش جواب نہ ملا تو وہ مایوس نہ ہو جائیں۔

پھر ایک وقت ایسا آیا کہ سارے کوفہ کے لوگوں میں ان کی شناخت ایک فقیہ کی حیثیت سے ہونے لگی۔وہ بڑے ذہین اور جلدی سمجھنے والے طالب علم تھے۔مجھے اندازہ تھا کہ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے کہ عالم اسلام کے اہل علم و فضل ان کے دستر خوان علم سے استفادہ کرنے آنے لگیں گے ، اور مجھے محسوس ہوا کہ نعمان ایک ایسا آفتاب ہے جو بطن گیتی کی تاریکیوں کو چیرتا ہوا کائنات کو روشن کرے گا۔(ایضاً،ص،87)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اخلاق و کردار:

حضرت عبد اللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا ، امام ابو حنیفہ غیبت کرنے سے کوسوں دور تھے ، میں نے کبھی نہیں سنا کہ انہوں نے اپنے کسی مخالف کی غیبت کی ہو۔سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اللہ کی قسم! وہ بہت عقلمند تھے وہ اپنی نیکیوں پر کوئی ایسا عمل مسلط نہیں کرنا چاہتے تھے جو ان کی نیکیوں کو ضائع کر دے۔ایک بزرگ غالباً شریک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نہایت خاموش طبع ، بہت عقلمند اور ذہین لوگوں سے کم بحث کرنے والے اور کم بولنے والے تھے۔

ضمرہ رحمۃ اللہ علیہ کے بقول لوگوں کا اتفاق ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ درست زبان تھے، انہوں نے کبھی کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا اور جب ان سے کہا گیا کہ لوگ آپ پر اعتراض کرتے ہیں اور آپ کسی پر اعتراض نہیں کرتے۔تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عطا کرے۔ بکیر بن معروف رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امت محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں کوئی شخص میں نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں دیکھا۔

(الخیرات الحسان:ص132)

ایک مرتبہ خلیفہ ہارون رشید نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے کہا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اخلاق بیان کرو، انہوں نے فرمایا:

"امام اعظم حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی شدید کوشش کرتے۔بغیر علم کے دین میں کوئی بات کہنے سے بہت ڈرتے تھے ، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انتہائی مجاہدہ کرتے ، وہ

دنیا داروں سے دور رہتے اور کبھی کسی کی خوشامد نہ کرتے۔

وہ اکثر خاموش رہتے اور دینی مسائل میں غور وفکر کیا کرتے۔ علم و عمل میں بلند رتبہ ہونے کے باوجود عاجزی وانکساری کا پیکر تھے۔ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تو قرآن وسنت کی طرف رجوع کرتے اگر قرآن وسنت میں اس کی نظیر نہ ملتی تو حق طریقہ پر قیاس کرتے۔

اپنے نفس اور دین کی حفاظت کرتے اور راہ خدا میں علم اور مال ودولت خوب خرچ کرتے، ان کا نفس تمام لوگوں سے بے نیاز تھا، لالچ اور حرص کی طرف ان کا میلان نہ تھا۔ وہ غیبت کرنے سے بہت دور تھے اگر کسی کا ذکر کرتے تو بھلائی سے کرتے"۔

یہ سن کر خلیفہ نے کہا صالحین کے اخلاق ایسے ہی ہوتے ہیں۔ پھر اس نے کاتب کو یہ اوصاف لکھنے کا حکم دیا اور اپنے بیٹے سے کہا ان اوصاف کو یاد کر لو۔

(سوانح بے بہا امام اعظم ابو حنیفہ: ص،76)

سبحان اللہ! واہ کیا بات ہے امام اعظم کی۔ کیا عظمت وشان ہے آپ کی۔ آپ کی مکمل زندگی اتباع رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کھلی ہوئی کتاب اور آئینہ ہدایت تھی، آپ نے کبھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچائی، کبھی کسی کی غیبت نہیں کی، کبھی کسی کی خوشامد نہ کی، دنیا داروں سے ہمیشہ دور رہتے، حرام چیزوں سے خود بھی بچتے اور دوسروں کو بھی بچانے کی مکمل کوشش کرتے، بغیر علم کے کبھی کوئی بات بیان نہیں کرتے۔

نہایت ہی خاموش مزاج، دینی مسائل کے معاملے میں غور وفکر کرنے والے، اپنے علم پر عمل کرنے والے، بلند رتبہ، عاجزی وانکساری کے پیکر اور متبع سنت وتقوی وطہارت کے عظیم مرتبہ پر فائز تھے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے شمار خوبیوں اور کمالات سے نوازا تھا۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے معمولات زندگی:

امام زفر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے امام اعظم کی خدمت میں بیس سال سے زائد مدت گزارنے کی سعادت ملی میں نے آپ سے زیادہ لوگوں کا خیر خواہ ہمدرد اور شفقت کرنے والا نہیں دیکھا۔

آپ اہل علم کو دل وجان سے چاہتے تھے، آپ کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی یاد کے لیے وقف

تھے، سارا دن تعلیم و تدریس میں گزرتا، باہر سے آنے والے مسائل کا جواب لکھتے، بالمشافہ مسائل پوچھنے والوں کی رہنمائی فرماتے، مجلس میں بیٹھتے تو وہ درس و تدریس کی مجلس ہوتی اور باہر نکلتے تو مریضوں کی عیادت، جنازوں میں شرکت، فقراء و مساکین کی خدمت، رشتے داروں کی خبر گیری اور آنے والوں کی حاجت روائی میں مشغول ہو جاتے۔ رات عبادت میں گزارتے اور قرآن مجید کی بہترین انداز میں تلاوت فرماتے۔ یہی معمولات زندگی بھر قائم رہے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ (امام اعظم رضی اللہ عنہ، مصنف علامہ شاہ تراب الحق قادری علیہ الرحمہ، ص: 61،62)

معانی بن عمران الموصلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں: امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ میں دس صفات ایسی تھیں کہ اگر ان میں سے ایک بھی کسی میں موجود ہو تو وہ اپنی قوم کا سردار بن جاتا ہے۔ پرہیز گاری، سچائی، فقہی مہارت، عوام کی خاطر مدارات اور سخاوت، پر خلوص ہمدردی، لوگوں کو نفع پہنچانے میں شفقت، فضول گفتگو سے پرہیز، گفتگو میں حق بات کہنا اور مظلوم کی معاونت خواہ دشمن ہو یا دوست۔ (ایضاً)

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سخاوت:

سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ ابو حنیفہ کثرت سے صدقہ کیا کرتے تھے، ان کو جو بھی فائدہ ہوا کرتا تھا وہ دے دیا کرتے تھے۔ مجھ کو اس قدر تحفے ارسال کیے کہ مجھ کو وحشت ہونے لگی میں نے ان کے بعض اصحاب سے اس کی شکایت کی، انہوں نے کہا تم ذرا ان تحفوں کو دیکھتے جو انہوں نے سعید بن ابی عروبہ کو بھیجے ہیں۔ ابو حنیفہ نے محدثین میں سے کسی کو بھی نہیں چھوڑا کہ اس کے ساتھ بھلائی نہ کی ہو۔

مسعر نے کہا کہ ابو حنیفہ جب بھی اپنے واسطے یا اپنے عیال کے واسطے کپڑا یا میوہ خریدتے تھے پہلے اسی مقدار میں کپڑا یا میوہ علماء و مشائخ کے واسطے خریدتے۔ ابو یوسف نے بیان کیا اگر آپ کسی کو کچھ دیا کرتے تھے اور وہ آپ کا شکریہ ادا کرتا تھا تو آپ کو بڑا املال ہوتا تھا اور آپ فرماتے تھے کہ شکر اللہ کا ادا کرو کہ اس نے یہ روزی تم کو دی۔ آپ نے بیس سال تک میرا اور میرے گھر کا خرچہ برداشت کیا اور میں جب بھی آپ سے کہتا کہ میں نے آپ سے زائد دینے والا کسی کو نہیں دیکھا ہے۔

آپ فرماتے اگر تم کبھی حماد (آپ کے استاذ) کو دیکھ لیتے تو کیا کہتے۔ شریک نے کہا جو آپ سے پڑھتا تھا آپ اس کو نان ونفقہ کی طرف سے مستغنی کر دیا کرتے تھے، بلکہ اس کے گھر والوں پر بھی خرچ کیا کرتے تھے۔ اور جب وہ علم پڑھ لیتا تھا تو آپ اس سے فرماتے تھے اب تم کو بڑی دولت مل گئی ہے اور تم کو حلال وحرام کی پہچان ہو گئی ہے۔

حضرت امام سے جب بھی کسی شخص نے اپنی حاجت بیان کی آپ اس کی حاجت روائی کرتے۔ آپ کے صاحبزادے حماد نے جب استاذ سے سورہ فاتحہ پڑھی آپ نے استاذ صاحب کو پانچ سو درہم دیئے اور دوسری روایت میں ایک ہزار درہم دینے کا بیان ہے۔

استاذ محترم نے کہا میں نے کام ہی کیا کِیا ہے جو آپ نے اتنی رقم مجھے ارسال کی ہے۔ آپ نے استاذ محترم کو بلا کر فرمایا آپ نے میرے بیٹے کو جو تعلیم دی ہے اس کو کم چیز نہ سمجھیں، اللہ کی قسم اگر ہمارے پاس اس سے زیادہ کی گنجائش ہوتی تو ہم پیش کرتے۔ (ایضاً، ص 71، 72)

سبحان اللہ! کیسا سچا جذبہ تھا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے جہاں علم و عمل فضل وکمال اور تقویٰ وطہارت جیسی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا وہیں آپ کو بے شمار مال و دولت کی فراوانی بھی عطا فرمائی تھی، اور یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مال عثمانی عطا فرمایا تھا۔

آپ بے حساب راہ خدا میں خرچ کیا کرتے تھے غریبوں کی مدد کرتے، حاجت مندوں کی حاجت روائی کرتے، اگر کوئی شخص شکریہ ادا کرتا تو ناراضگی کا اظہار کرتے اور فرماتے شکر اس خدا کا ادا کرو جس نے تم کو روزی عطا فرمائی۔ اس کے ساتھ ساتھ علما ومشائخ کو بھی خوب نذرانے پیش کرتے۔ طلبہ کی تعلیم وتربیت کا خوب خیال رکھتے حتیٰ کہ طلبا کے اخراجات بھی اپنی طرف سے ادا کرتے۔

امام اعظم کی عبادت وریاضت اور خوف خدا:

علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں، امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا پوری رات عبادت کرنا اور تہجد پڑھنا

تواتر سے ثابت ہے اور یہی وجہ ہے کہ کثرت قیام کی وجہ سے آپ کو وتد یعنی میخ (کیل) کہا جاتا تھا۔ آپ تیس سال تک ایک رکعت میں مکمل قرآن پڑھتے رہے اور آپ کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز چالیس سال تک پڑھی۔

امام اعظم کے تمام رات عبادت کرنے کا باعث یہ واقعہ ہوا کہ ایک بار آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے کہ راستے میں آپ نے کسی شخص کو یہ کہتے سنا "یہ امام ابو حنیفہ ہیں جو تمام رات اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور سوتے نہیں"

آپ نے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا سبحان اللہ! کیا تم خدا کی شان نہیں دیکھتے کہ اس نے ہمارے لیے اس قسم کا چرچا کر دیا اور کیا یہ بری بات نہیں کہ لوگ ہمارے متعلق وہ بات کہیں جو ہم میں نہ ہو لہذا ہمیں لوگوں کے گمان کے مطابق بننا چاہیے۔ خدا کی قسم میرے بارے میں لوگ وہ بات نہیں کہیں گے جو میں نہیں کرتا۔ چنانچہ آپ تمام رات عبادت و دعا اور آہ وزاری میں گزارنے لگے۔

(الخیرات الحسان، ص:117/118)

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: امام اعظم رضی اللہ عنہ رات کے وقت ایک قرآن مجید نوافل میں ختم کیا کرتے تھے۔ رمضان المبارک میں ایک قرآن صبح اور ایک قرآن عصر کے وقت ختم فرمایا کرتے تھے اور عام طور پر رمضان کے دوران 62 بار قرآن مجید ختم کر لیا کرتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے 55 حج کیے۔

آخری حج میں کعبہ معظمہ کے مجاوروں سے اجازت لے کر کعبہ کے اندر چلے گئے اور وہاں آپ نے دو رکعت میں پورا قرآن اس طرح تلاوت کیا کہ پہلی رکعت میں دائیں پاؤں پر زور رکھا اور بائیں پاؤں پر دباؤ نہیں دیا اس حال میں نصف قرآن تلاوت کیا پھر دوسری رکعت میں بائیں پاؤں پر زور رکھا اگرچہ دوسرا پاؤں بھی زمین پر تھا مگر اس پر زور نہیں دیا۔ اس طرح آپ نے بقیہ نصف قرآن کی تلاوت مکمل کی۔ نماز کے بعد روتے ہوئے بارگاہ الٰہی میں عرض کی:

اے میرے رب! میں نے تجھے پہچانا ہے جیسا کہ پہچاننے کا حق ہے لیکن میں تیری ایسی عبادت نہ

کر سکا جیسا کہ عبادت کا حق تھا۔مولی تو میری خدمت کی کمی کو معرفت کے کمال کی وجہ سے بخش دے۔تو غیب سے آواز آئی اے ابو حنیفہ! تم نے ہماری معرفت حاصل کی اور خدمت میں خلوص کا مظاہرہ کیا اس لیے ہم نے تمہیں بخش دیا اور قیامت تک تمہارے مذہب پر چلنے والوں کو بھی بخش دیا۔(امام اعظم رضی اللہ عنہ، ص:77،78)

سبحان اللہ! کیا ذوق بندگی تھا امام اعظم کا ساری ساری رات قیام اللیل اور دعامیں گزرادیتے، کثرت سے قرآن پاک کی تلاوت کرتے، نماز کے بعد گڑگڑا کر روتے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے مولیٰ میں تیری بندگی کا کماحقہ حق نہ ادا کر سکا،خوف خدا سے اس قدر روتے کہ آپ کے رونے کی آواز آپ کے پڑوس میں سنی جاتی تھی۔اللہ اکبر!

اورامام ابن حجر شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک فرمایا کہ:رات کو جب آپ نماز ادا فرماتے تو چٹائی پر آپ کے آنسوؤں کے گرنے کی آواز اس طرح آتی جس طرح بارش کے قطرے گرتے ہیں۔اور رونے کا اثر آپ کی آنکھوں اور رخساروں پر نظر آتا تھا۔

امام اعظم کا تقوی:

حضرت عبد اللہ بن مبارک فرماتے ہیں میں نے امام اعظم رضی اللہ عنہ سے زائد متقی کسی کو نہ دیکھا۔مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں کوفہ والوں کے ساتھ رہا ہوں لیکن میں نے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ متقی کسی کو نہ دیکھا۔حسن بن صالح رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں آپ سخت پرہیز گار تھے، حرام سے ڈرتے تھے اور شُبہ کی وجہ سے کئی حلال چیزیں بھی چھوڑ دیتے تھے میں نے کوئی فقیہ ایسا نہ دیکھا جو اپنے نفس اور علم کی حفاظت آپ سے زیادہ کرتا ہو۔وہ آخری عمر تک جہاد کرتے رہے۔

یزید بن ہارون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا مگر میں نے ان میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے زائد نہ تو کسی کو متقی پایا اور نہ اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا۔آپ کے کاروباری شریک حفص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے

ہیں میں امام ابو حنیفہ کے ساتھ تیس سال تک رہا لیکن میں نے کبھی نہ دیکھا کہ آپ نے اس چیز کے خلاف ظاہر کیا ہو جو آپ کے دل میں ہو۔ جب آپ کو کسی چیز کے بارے میں شبہ پیدا ہوتا تو آپ اپنے دل سے اس کو نکال دیتے تھے اگرچہ اس کی خاطر اپنا تمام مال ہی کیوں نہ خرچ کرنا پڑے۔

امام اعظم کے بے مثال تقوی کا اندازہ اس سے بھی کیا جاسکتا ہے کہ ایک بار کوفہ میں کچھ بکریاں چوری ہو گئیں تو آپ نے دریافت کیا بکری زیادہ سے زیادہ کتنے سال زندہ رہ سکتی ہے۔ لوگوں نے بتایا سات سال، تو آپ نے سات سال تک بکری کا گوشت نہیں کھایا کہ کہیں چوری کی بکری کا گوشت جسم میں نہ چلا جائے۔

(امام اعظم رضی اللہ عنہ، شاہ تراب الحق قادری علیہ الرحمہ)

اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے "انہیں دنوں آپ نے ایک فوجی کو دیکھا کہ اس نے گوشت کھا کر اس کا فضلہ کوفہ کی نہر میں پھینک دیا تو آپ نے مچھلی کی طبعی عمر کے بارے میں دریافت کیا اور پھر اتنے سال تک مچھلی کے گوشت سے پرہیز کیا۔

(الخیرات الحسان، ص:143)

سبحان اللہ! کیا شان تھی آپ کے تقوی کی کہ آپ حرام تو درکنار جس چیز کے بارے میں آپ کو حرام کی آمیزش کا شبہ بھی ہو جاتا تو آپ اس سے بھی بچا کرتے تھے۔ اس طرح کے بہت سے واقعات امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تقوی سے متعلق ہمیں آپ کی سیرت وسوانح کی کتابوں میں پڑھنے کو مل جائیں گے۔ جیسا کہ آپ نے مندرجہ بالا سطور میں ملاحظہ کیا۔ ہمیں آپ کے اس عظیم الشان تقوی سے درس عبرت حاصل کرنے کی سخت ضرورت ہے، آج ہمارا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ ہمارے پاس مال ودولت کی فراوانی ہونی چاہیے، چاہے جس طرح سے آئے حلال ہو یا حرام ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ معاذاللہ، اللہ پاک ہمیں حلال وحرام میں صحیح تمیز کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام اعظم اور اساتذہ کرام کا ادب:

امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے اساتذہ اور شیوخ کی تعداد چار ہزار بیان ہوئی ہے۔ آپ اپنے اساتذہ کرام کا محبت وعقیدت سے ذکر فرماتے

اور اکثر کی خدمت میں ہدیے اور تحائف بھیجتے، آپ کے اساتذہ اور شیوخ بھی آپ سے بہت محبت فرماتے تھے۔

سیدنا امام اعظم کا ارشاد ہے جب سے میرے استاد امام حماد رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوا ہے میں ہر نماز کے بعد ان کے لیے دعائے مغفرت کرتا ہوں اور میں نے کبھی ان کے گھر کی طرف پاؤں نہیں پھیلائے حالانکہ میرے اور ان کے گھر کے درمیان کئی گلیاں ہیں۔(الخیرات الحسان، ص197)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا!
میں اپنے استاذ حماد اور اپنے والد علیہ الرحمہ کے لیے استغفار کرتا ہوں، بلکہ میں اپنے ہر استاذ کیلئے استغفار کرتا ہوں، جس نے مجھے ایک لفظ بھی پڑھایا اسی طرح اپنے ہر شاگرد کیلئے بھی استغفار کرتا ہوں، علامہ موفق فرماتے ہیں۔ امام اعظم جب کسی کیلئے دعا کرتے تو حضرت حماد کا نام پہلے لیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے والدین بچوں کو جنم دیتے ہیں مگر استاذ اسے علم و فضل کے خزانے دیتا ہے۔

(امام اعظم رضی اللہ عنہ، ص92،93)

امام اعظم رضی اللہ عنہ کا اپنے اساتذہ کرام کے ادب و احترام سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملا کہ استاذ کا مرتبہ و مقام کتنا عظیم ہوتا ہے۔ آپ اپنے استاذ کا اتنا احترام کرتے تھے کہ ان کے گھر کی جانب پاؤں تک پھیلانا بھی گوارہ نہیں فرماتے تھے۔ اپنے اساتذہ و شیوخ کو تحفے پیش کرتے۔ ان کیلئے دعائے مغفرت کرتے ہمیں بھی آپ کے اس کردار سے درس عبرت حاصل کرنا چاہیے۔ اللہ پاک ہم سب کو اپنے اساتذہ کرام کا ادب و احترام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

امام اعظم رضی اللہ علیہ کا وصال:

آپ کا وصال 2 شعبان المعظم 150 ھجری مطابق 18 جون 767 عیسوی کو 68 برس کی عمر میں ہوا۔ آپ کے وصال کا واقعہ مؤرخین نے کچھ اس طرح بیان کیا ہے۔

خلیفہ منصور نے آپ کو چیف جسٹس (قاضی القضات) کے عہدے کیلئے بغداد بلایا اور یہ لالچ دیا کہ دنیائے اسلام کے تمام قاضی آپ کے ماتحت ہوں گے۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں آپ کو قید کر دیا گیا۔ وہ ہر روز آپ کو پیغام بھیجتا

کہ اگر رہائی چاہتے ہو تو عہدہ قبول کر لو لیکن آپ ہر بار انکار کر دیتے تھے۔ ادھر اس کے درباری خلیفہ کو بھڑکاتے کہ یہ تو آپ کی سخت توہین ہے۔

چنانچہ اس نے حکم دیا کہ آپ رضی اللہ عنہ کو قید سے نکال کر دس کوڑے لگائے جائیں اور اس کا بازاروں میں اعلان کیا جائے۔ چنانچہ آپ کو دردناک طریقہ سے مارا گیا۔ یہاں تک کہ خون بہہ کر آپ کی ایڑیوں پر گرنے لگا اسی طرح دس دن تک روزانہ دس کوڑے مارے گئے، پھر خلیفہ نے حکم دیا کہ آپ کے سر پر کوڑے مارے جائیں اس بدترین ظلم و ستم کے باوجود آپ کے پائے استقلال میں کوئی جنبش نہ آئی تو خلیفہ کے حکم سے آپ کو جیل میں زہر دے دیا گیا۔ اس طرح ظاہری اور خفیہ طور پر آپکی شہادت واقع ہوئی۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ جب آپ کو زہر کا اثر محسوس ہوا تو آپ سر بسجود ہو گئے۔ اور سجدے کی حالت میں آپ کی شہادت ہوئی۔(الخیرات الحسان، ص225)

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ولی صاحبزادۂ جلیل حضرت سیدنا حماد بن ابی حنیفہ رحمہ اللہ تھے۔

جب انہوں نے آپ کی نماز جنازہ پڑھی تو پھر کسی نے نہ پڑھی۔ امام ابن حجر مکی رحمہ اللہ الخیرات الحسان میں فرماتے امام اعظم کے غسل سے فارغ ہونے تک بغداد میں اس قدر خلقت جمع ہو گئی کہ جس کا شمار خدا ہی جانتا ہے۔

گویا کسی نے انتقال کی خبر پھیلا دی تھی۔ نماز پڑھنے والوں کا اندازہ کیا گیا تو کوئی پچاس ہزار تھے اور کوئی کہتا ہے اس سے بھی زیادہ تھے۔ ان پر چھ بار نماز ہوئی اور آخری مرتبہ صاحبزادہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے پڑھی۔(فتاویٰ رضویہ، ج9، ص341)

جب آپ کے وصال کی خبر ابن جریج رحمہ اللہ فقیہ مکہ کو پہنچی جو امام شافعی کے استاذ کے استاذ تھے۔ انہوں نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ اور فرمایا کوفہ سے علم کا نور بجھ گیا اور اب ان کی مثل کبھی نہ دیکھیں گے۔(الخیرات الحسان، ص228)

دعا ہے پروردگار عالم ہمیں اپنے اسلاف کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجَاہِ النَّبِیِّ الْاَمین صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم

سیرت و علمی مقام، امام ماتریدی رحمۃُ اللہِ علیہ

از: مولانا زوہیب علی

بنیادی طور پر علم الکلام کے اندر اہل سنت کی دو شاخیں ہیں ایک کو اشاعرہ اور دوسرے کو ماتریدیہ کہا جاتا ہے۔

اشعری امام ابو الحسن اشعری کی طرف منسوب ہیں اور ماتریدی امام ابو منصور ماتریدی کی طرف منسوب ہیں امام ابو منصور ماتریدی رحمہ اللہ جو کے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالی عنہ کے پیروکار تھے اس لیے بالکل کلام میں جو تعبیرات بیان کرتے ہیں اس میں احناف کی علم الکلام میں ترجمانی کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ جو ہم تعارف پیش کریں گے وہ طلبا کے لیے مفید ثابت ہو گا۔

وماتُریدیہ اُوزبکستان کا شہر سمرقند کا ایک محلہ ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی 238 ہجری میں پیدا ہوئے اور 333 ہجری کو وفات پائی۔ آپ نے تقریبا 95 سال عمر پائی۔ بعض اہلِ علم مثلاً: علامہ بیاضی حنفی نے آپ کا نسب مشہور صحابی حضرت سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ تک پہنچایا ہے، ان کا لقب إمامِ الهدى والدِّينِ، وإمامِ المتكلِّمين، ورئيسِ أهلِ السُّنَّةِ، والإمامِ الزَّاهِد آپ اپنی ذہانت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ مختلف علوم میں مہارت رکھتے تھے۔ آپ نے بہت ساری کتابیں عقائد میں لکھی ہیں اور معتزلہ کے رد پر بھی لکھی ہیں۔ آپ یونانی فلسفہ پر بھی مطلع تھے اپ نے فلاسفہ کی ارا کارد بھی کیا ہے۔

آپ کی تفسیر کے اندر نظر کرنے والا تعجب میں مبتلا ہو جاتا ہے بہت زیادہ فوائد دیکھ کر جن کو

آپ نے ذکر کیا ہے اور ان استنباطات کو دیکھ کر جن کو آپ نے مستخرج کیا ہے۔ آپ کی تفسیر کے اندر بہت سے فوائد نفیسہ ہیں یقیناً اپ کی تفسیر کے اندر جو نکات ہیں نظر کرنے والا وہ نکات کسی اور تفسیر کی کتابوں میں نہیں پاسکتا۔

آپ کی جلالت علمی کا یوں اندازہ لگائیں کہ مرتضی زبیدی کہتے ہیں:

آپ جلیل قدر امام تھے، دین میں بہت پختہ تھے عقائد اہلسنت میں گہرے جمے ہوئے تھے، معتزلہ اور اہل بدعت کا اُن کے مناظروں میں رد کرنے والے تھے اور مد مقابل کو خاموش کروا دیتے تھے اور ان کو امام الھدی کہا جاتا تھا

تالیفات:

امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ نے بہت سی کتابیں لکھیں اور اپنی علمی جلالت کو واضح کیا کچھ کتابیں معتزلہ کے رد میں لکھی کچھ میں روافض کا رد کیا اور کچھ اصول فقہ پہ لکھیں لیکن کچھ کتابیں موجود ہیں اور کچھ کتابیں موجود نہیں۔

كتابُ التَّوحيد

كتابُ المقالات

كتابُ رَدِّ أوائلِ الأدلَّةِ للكعبيّ

كتابُ بيانِ اوهامِ المُعتزِلة

كتابُ تأويلاتِ القرآن

اور یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کے مساوی کوئی دوسری کتاب نہیں۔ ہم چند ایک کے نام یہاں ذکر کرتے ہیں:

كتابُ المقالاتِ

كتابُ رَدِّ وعيدِ الفُسَّاقِ

ردُّ الأسئلةِ الخمسةِ للباهليّ

رَدُّ الإمامةِ لبعضِ الرَّافضةِ

الرَّدُّ على أصولِ القرامطةِ

كتابُ مأذنِ الشَّرائعِ في أصولِ الفقهِ

كتابُ الجَدَلِ في أصولِ الفِقهِ

امام کی اکثر کتب مفقود ہیں اور ان میں سے صرف مطبوع ہیں کتابُ التَّوحيدِ، وكتابُ تأويلاتِ أهلِ السُّنَّةِ اور اسی کو تفسیر ماتریدی کہا جاتا ہے۔

علمی مقام و مرتبہ:

امام ماتریدی کا علمی مقام و مرتبے تین باتوں سے سمجھا جاسکتا ہے۔

(1) آپ کی تالیفات

(2) علما محققین نے جو اپ کے لیے القاب ذکر کیے۔

ان دونوں کا ذکر ہم نے اوپر کر دیا ہے

(3) آپ کے اساتذہ و تلامذہ

اساتذہ:

ان کے مشہور استاذوں میں سے: (1) القاضی مُحَمَّدُ بن مُقاتلِ الرَّازی الحَنَفی جو کہ امام محمد بن حسن شیبانی کے شاگردوں میں سے ہیں (2) ابو نصرٍ احمد بن العبَّاس العیاضی السَّمَرقَنْدیب (3) ابو بکر احمد بن اسحاق الجُوزَجانی (4) نصر بن یحیی البَلْخی (5) اِمام محمد بن مقاتل الرازی۔

علامہ عبدالحی لکھنوی نے "الفوائد البهية فی تراجم الحنفية" میں آپ کو امام ماتریدی کے اساتذہ میں ذکر کیا ہے۔

آپ ایک فقیہ بھی تھے اور محدث بھی، اور دیگر علومِ اسلامیہ بھی مہارت رکھتے تھے۔ علم حدیث امام وکیع بن الجراح اوران کے طبقے کے دیگر اہلِ علم سے حاصل کیا تھا۔ علامہ کمال پاشا نے آپ کے حالات لکھے ہیں اور اس میں یہ صراحت کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کے عقائد میں جو شاگرد اور ان کا سلسلہ چلا ہے، تو یہ اس میں چوتھے طبقے میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ ایک مدت تک رے میں قضا کے منصب پر فائز رہے۔

آپ کی وفات کے بارے میں دو قول ہیں:

ایک قول کے مطابق وفات 242ھ میں ہوئی جب کہ راجح یہ ہے ان کی وفات سنہ 248ھ میں ہوئی، قریبی زمانے کے نامور محقق عالم دین شیخ محمد زاہد الکوثری نے اسی کو ذکر کیا ہے اور راجح قرار دیا ہے۔

(مقدمہ العالم والمتعلم)

اِمام اَبو نصر احمد العیاضی:

آپ امام ماتریدیؒ کے اُن اساتذہ میں سے ہیں جن سے آپ کو خصوصی تعلق تھا، چنانچہ شاید یہی وجہ ہے کہ علامہ محدث قاسم بن قطلوبغا نے آپ کے اساتذہ میں سے صرف انھیں کا ذکر کیا ہے۔ علاوہ ازیں دیگر تمام طبقات حنفیہ میں بھی امام ماتریدی کے اساتذہ میں ان کا نام شامل ہے۔ علامہ محمد مرتضی زبیدی نے بھی امام ماتریدی کے اساتذہ

میں ان کا ذکر کیا ہے اور آپ کا نسب اس طرح بتایا ہے:

احمد بن عباس بن حسین بن جبلۃ بن جابر بن نوفل بن عیاض بن یحییٰ بن قیس بن سعد ابن عبادۃ الانصاری الفقیہ السمرقندی

اس نسب سے واضح ہوتا ہے کہ آپ مشہور صحابی رسول ۔ حضرت سعد بن عبادہ کے خاندان سے تھے۔

آپ نے علاقہ ماوراء النہر کے معروف حنفی فقیہ شیخ ابو بکر احمد بن اسحاق جوزجانی سے علم حاصل کیا تھا۔ موصوف حد درجہ بہادر اور جراءت مند تھے۔ جہاد میں بے دریغ شریک ہوتے تھے اور پھر اسی راہِ جہاد میں احمد بن اسد بن سامان کے عہد ولایت میں ایک معرکے میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔ علم و فضل میں اس قدر بلند مرتبے رکھتے تھے کہ علما سیر نے یہاں تک تحریر کیا:

اِن الدلیل علی صحۃ مذھب ابی حنیفۃ کون الامام احمد العیاضی علی مذھبہ (ذیل الجواہر المضیۃ لابن ابی الوفاء، ج2، ص562)

امام احمد العیاضی جیسے شخص کا امام ابو حنیفہ کے مذہب پر ہونا، امام ابو حنیفہ کے مذہب کے صحیح ہونے کی دلیل ہے۔

تلامذہ:

آپ کے مشہور شاگردوں میں سے: (1) ابو القاسِم اسحاق بن محمَّد الصُّوفی المعروف بالحکیم السَّمَرْقَنْدِیُّ، قاضی سَمَرْقَنْدَ (2) ابو الحسَنِ علیُّ بنُ سعیدٍ الرُّسْتُغْفنیُّ (3) ابو محمَّدٍ عبدُ الکریمِ بنُ موسی البَزْدَوِیُّ (4) ابو أحمدَ نصرُ بنُ أحمدَ بنِ العبَّاسِ العیاضیُّ (5) أبو عبدِ الرَّحمنِ بنُ أبی اللَّیثِ البُخاریُّ

اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ہمیں امام ابو منصور ماتریدی علیہ الرحمہ کا فیضان نصیب فرمائے اور ان کے صدقے ہماری بخشش فرمائے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اٰمین بِجاہِ النّبیِّ الاَمین صلَّی اللہ علیہ واٰلہ وسلَّم

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف اور علمی مقام

از: مولانا احمد رضا مغل

جہاں سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے زبانی و کلامی لوگوں کے دلوں میں علم کی شمع روشن کی وہاں آپ نے قلم سے بھی خدمات دین انجام دیں آپ کے علم و عرفان کا اندازہ آپ کی تصانیف ہی سے ہو سکتا ہے

چوں کہ آپ کا خاندان ایک علمی و روحانی خاندان تھا جو اسلامی ماحول اور دینی مقتضیات سے مکمل طور سے آراستہ تھا، اس لیے آپ کی تربیت ابتدا ہی سے علمی اور روحانی ماحول میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی، 19 سال کی کم عمری میں حفظ قرآن کی تکمیل کی، بعدہ ایک مدرسے میں داخل ہو کر حدیث و فقہ کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

پھر علم شریعت و طریقت کے حصول کی خاطر رخت سفر باندھ لیا۔ سمرقند و بخارا، جو اس دور میں علوم و فنون کا معدن و مرکز تھا، جہاں عظیم الشان علمی و تحقیقی درس گاہیں تھیں، تشنگان علوم و معرفت اکناف عالم سے جوق در جوق اور فوج در فوج اس جانب آتے اور اپنی علمی پیاس بجھاتے۔

حضرت خواجہ صاحب تشریف لے گئے اور پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ حضرت شیخ حسام الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا شرف الدین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ شرع الاسلام رحمۃ اللہ علیہ جیسے جید علمائے کرام کی صحبت بافیض میں رہ کر تفسیر وحدیث، فقہ، کلام و عقائد و معمولات میں دسترس حاصل کی پھر اپنے پیر و مرشد کی تلاش میں نکلے اور پیر و مرشد کی بارگاہ سے علوم باطنی کے زیور سے آراستہ ہونے کے بعد آپ نے مشاہدہ و مطالعہ عالم کی غرض سے سفر کا آغاز فرمایا اور دمشق، اوش، بدخشان، اصفہان، سبزہ دار، سمانا، بلخ، سمرقند و بخارا، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ کی سیر

فرمائی اور اس مبارک سفر میں اس وقت کے اساطین امت و اولیائے ملت، مثلاً:

حضرت شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ ضیاء الدین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ وحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ یوسف ہمدانی رحمہ اللہ علیہ اور محبوب سبحانی، قطب ربانی، شہباز لا مکانی حضور سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے اکتساب فیض کیا۔ مرأۃ الاسرار میں ہے:

حضرت غریب نواز رحمۃُ اللہِ علیہ ہندوستان تشریف لانے سے قبل 5 ماہ 7 دن حضور غوث اعظم دستگیر رحمۃُ اللہِ علیہ کی صحبت میں رہ کر اکتساب کیا۔

(مرآۃ الاسرار، ص:594)

اس قدر عظیم مشائخ سے اکتساب علم کیا اس شخصیت کے علمی مقام کا اندازہ لگانا مشکل ہے آپ کی تصانیف درج ذیل ہیں جن سے علوم و معارف کی خزانے جاری ہیں:

(1) انیس الارواح: یہ فارسی میں ہے جس میں آپ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات جمع فرمائے ہیں۔

(2) کشف الاسرار: یہ کتاب بھی فارسی میں ہے اس کا موضوع تصوف ہے۔

(3) رسالہ تصوف: یہ تصوف کے موضوع پر ایک اہم رسالہ ہے۔

(4) کنز الاسرار: یہ کتاب آپ نے حضرت سلطان التمش رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت کے لیے تحریر فرمائی تھی۔

(5) رسالہ آفاق و انفس: یہ فارسی میں ہے اور طبع سے آراستہ نہیں ہوا۔

(6) دلیل العارفین: یہ رسالہ آپ کے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃُ اللہِ علیہ کے ملفوظات کو تحریر کیا ہے یہ کتاب فارسی میں ہے جس کے 57 صفحات ہیں یہ نہایت عمدہ مگر علوم و معارفت سے بھرپور ہے جس کے اردو تراجم بھی موجود ہیں۔

(7) رسالہ تصوف منظوم: یہ کتاب فارسی میں منظوم ہے جو آپ کی شعر و سخن کا آئینہ ہے۔

(8) گنج اسرار: یہ رسالہ بھی آپ نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ایک حسین مجموعہ ہے۔

(9) حدیث معارف: یہ رسالہ مفقود ہے۔

(10) دیوان معین: یہ آپ کی شاعری کا مجموعہ کلام ہے جو مفقود ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بزرگان دین کی صحیح تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ اٰمین

آئین تحفظ ختم نبوت میں، قومی اسمبلی کا کردار ادا کرنے والے علمائے اہل سنت کا تعارف

از: احمد رضا چشتی

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ مسلمان عمل میں تو کمزور ہو سکتا ہے لیکن تحفظ ختم نبوّت و ناموس رسالت کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے، اگر ہم تاریخ کے دریچوں پر نظر دوڑائیں تو ہمیں اکابرین اہل سنت ہر باطل فتنے کے خلاف مرد آہن کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔

ایک وقت آیا کہ جب فتنہ قادیانیت نے سر اٹھایا تو تاجدارِ گولڑہ اور سیدی اعلیٰ حضرت وغیر ھم اکابرین نے اس فتنے کا بھرپور رد فرمایا پھر جب ارض مقدس پاکستان معرض وجود میں آیا تو قادیانی اپنی چالبازیوں سے حکومتی عہدوں پر براجمان ہو گئے یہاں تک کہ پاکستان کا پہلا وزیر خزانہ بھی قادیانی تھا

یاد رہے کہ یہ قادیانی صرف اسلام ہی کے دشمن نہیں بلکہ پاکستان کے بھی دشمن ہیں، عقیدہ ختم نبوّت کے تحفظ کے لیے بڑی تحریکیں چلیں اور اکابرین نے عظیم کردار ادا کیا، اکابرین کی محنت رنگ لائی اور یہ قادیانی پہلے سے ہی مرتد و کافر تھے ہی 7 ستمبر 1974 کو پاکستان کے قانون میں بھی انہیں مرتد و کافر قرار دے دیا گیا، 1974 کی قومی اسمبلی میں بحیثیت رکن اسمبلی جن علماء اہلسنت نے آئین تحفظ ختم نبوّت میں اپنا کردار ادا کیا ان کا تعارف پیش خدمت ہے ملاحظہ فرمائیں:

(1) علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی: 17 رمضان 1344ھ / یکم اپریل 1926ء کو میرٹھ (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب خلیفۂ اول

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے' اسی نسبت سے آپ صدیقی کہلاتے تھے۔ انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ حفظ قرآن کے بعد ثانوی تعلیم کے لئے ایسے سکول میں داخلہ لیا جہاں ذریعہ تعلیم عربی تھا۔

عربک کالج میرٹھ یوپی سے بھی فارغ التحصیل ہو کر درس نظامی کی تعلیم مدرسہ اسلامیہ قومیہ میں اُستاذ العلماء علامہ غلام جیلانی میرٹھی سے حاصل کی۔ آپ کی دستار بندی کے موقع پر ایک پُر وقار تقریب کا انعقاد ہوا جس میں آپ کے استاذِ محترم مولانا سید غلام جیلانی میرٹھی' آپ کے والد ماجد مولانا شاہ عبد العلیم صدیقی اور صدر الافاضل مولانا سیّد نعیم الدین مراد آبادی کے علاوہ شہزادہ اعلیٰ حضرت مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خان مفتی اعظم ہند بھی مسند افروز تھے۔ آپ کو کئی عالمی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ عربی' فارسی' اردو' انگریزی (امریکن اور برٹش لہجہ میں)' سواحلی (افریقی)' فرانسیسی کے علاوہ بنگالی' گجراتی سبھی زبانیں بڑی روانی سے بول سکتے تھے۔1952ء میں مرزائیوں کے خلاف کراچی میں آل پاکستان مسلم پارٹیز کانفرنس کا انعقاد ہوا تو آپ اس بورڈ کے اہم رکن مقرر ہوئے۔

تحریک ختم نبوت 1953ء میں کراچی میں مولانا عبد الحامد بدایونی (1390ھ / 1970ء) اور دیگر علماء کے ساتھ تحریک میں شریک ہوئے۔ آرام باغ میں جمعہ کے دن تحریک کا آغاز ہوا تو علامہ نورانی پیش پیش تھے۔ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے سلسلہ میں حضرت نورانی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ انھوں نے بے شمار قادیانی مبلغین سے مناظرے کیے اور انھیں ہمیشہ شکست فاش دی۔ آپ نے بیرون ممالک میں قادیانیوں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا مسلسل تعاقب کیا۔ انھوں نے آئین پاکستان میں مسلمان کی تعریف شامل کروائی۔

30جون1974ء کو آپ نے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلانے کے لیے قومی اسمبلی میں تاریخی قرارداد پیش کی۔ قادیانی جماعت کے سربراہ مرزا ناصر کو اپنی جماعت کے عقائد کے بارے میں صفائی اور موقف پیش کرنے کا مکمل اور آزادانہ

موقع دیا گیا۔ 13 دن تک اس پر جرح ہوئی۔ بعد ازاں ملک کی منتخب پارلیمنٹ نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو ان کے کفریہ عقائد کی بناء پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔

مولانا نورانی رحمۃُ اللہِ علیہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ "قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد کی سعادت اللہ تعالیٰ نے مجھے بخشی اور مجھے یقین کامل ہے کہ بارگاہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں میرا یہ عمل سب سے بڑا وسیلہ شفاعت و نجات ہوگا۔"

16 شوال المکرم 1424ھ کو ساڑھے بارہ بجے دن اسلام آباد میں اسلام کا یہ بے لوث مجاہد داعی حق کے پیغام پر لبیک کہتے ہوئے واصل حق ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

(2) علامہ عبدالمصطفیٰ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

آپ 1916ء میں ہندوستان کے شہر بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ (آبائی وطن اصلی قصبہ گھوسی ضلع اعظم گڑھ یوپی بھارت) ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام صدر الشریعہ مصنف بہار شریعت مولانا امجد علی اعظمی ہے۔

ولادت کے بعد والد ماجد صدر الشریعہ علامہ مفتی امجد علی اعظمی صاحب آپ کو لے کر امام اہل سنت اعلی حضرت علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اعلی حضرت سے شہزادے کا نام رکھنے اور دعائے خیر و برکت کرنے کی درخواست کی۔ اعلی حضرت نے شہزادے کو گود میں لیا تحنیق فرمائی، تبرکات عطا کیا اور فرمایا کہ شہزادے کو اپنا نام عبدالمصطفی دیتا ہوں اور یوں اعلی حضرت نے اپنے نام پر اس شہزادے کا نام عبدالمصطفیٰ رکھا۔

ابتدائی تعلیم: گھر پر والد بزرگوار سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مدرسہ معینیہ عثمانیہ اجمیر شریف (جہاں آپ کے والد صدر مدرس تھے) میں داخلہ لیا شرح جامع اور ہدایہ تک کی کتب اپنے والد محترم اور چند دیگر اساتذہ کرام سے پڑھی۔ 1923ء تا 1928ء اجمیر شریف میں قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں مرکز اہلسنت جامعہ منظر الاسلام بریلی شریف میں داخلہ لیا اور مزید تقریبا تین سال تک مختلف اساتذہ کرام سے اکتساب فیض کرتے ہوئے علوم و فنون کی کئی کتب پڑھیں اس کے بعد 1931ء میں جامعۃ الازہر مصر

تشریف لے گئے اور وہاں تین سال تک تحصیل علم کرتے رہے اور شہادۃ العالیہ کی اسناد حاصل کیں۔

1934ء میں واپسی پر پہلا حج کیا۔ بریلی شریف میں اپنے والد ماجد سے بخاری شریف اور دیگر کتب حدیث پڑھیں اور 1938ء میں دستار فضیلت حاصل کی یوں آپ کا پورا تعلیمی کیریئر 13 سال پر محیط رہا جملہ مروجہ علوم و فنون سے فراغت کے وقت آپ کی عمر شریف محض 22 سال تھی۔

عملی زندگی کا آغاز: سند فراغت حاصل کرنے کے بعد عملی زندگی کا آغاز کیا اور 1938ء میں آپ نے دارالعلوم حافظیہ سعیدیہ دادوں ضلع علی گڑھ سے درس و تدریس کا باقاعدہ آغاز فرمایا۔ 1948ء میں پاکستان تشریف لا کر جامعہ محمدی شریف ضلع جھنگ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا اور 1952ء تک وہاں شیخ الحدیث رہے۔

1952ء سے 1957ء تک لاہور اور ہارون آباد میں درس و تدریس فرماتے رہے۔ 1958ء میں مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد ظفر علی نعمانی صاحب کی دعوت پر دارالعلوم امجدیہ کراچی تشریف لائے اور تادم وصال اس ادارے میں شیخ الحدیث اور پرنسپل کی حیثیت سے خدمات سرانجام دیتے رہے۔ بلا مبالغہ آپ نصف صدی تک درس حدیث دیتے رہے اور ہزاروں طلباء، فضلاء، علماء اور مدرسین نے آپ سے اکتساب علم کیا۔

میدان سیاست: میدان علم و فن اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے میدان سیاست میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک ختم نبوت صلَّی اللہ علیہ والٰہ وسلَّم اور تحریک نظام مصطفی صلَّی اللہ علیہ والٰہ وسلَّم میں فعال کردار ادا کیا، جمعیت علماء پاکستان صوبہ سندھ کے صدر رہے۔

کئی دفعہ الیکشن لڑا، تین دفعہ قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے۔ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء دور میں فیڈرل کونسل آف مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔ قصاص اور دیت کے قوانین کا مسودہ تیار کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

آپ 1973ء کی دستور ساز اسمبلی کا حصہ تھے۔ آئین پاکستان کی اسلامی دفعات مرتب کرنے میں آپ کا مرکزی کردار رہا۔ مسلمان کی جامع تعریف آپ ہی نے مرتب کی قادیانی کو غیر مسلم اقلیت ڈیکلیئر کرنے میں مسلم وکلاء پینل کی شرعی رہنمائی

کرتے رہے۔ نیز قادیانیوں کی کفریات اور گمراہ کن نظریات اراکین اسمبلی سمیت تمام سیاستدانوں اور حکمرانوں کے سامنے شرح وبسط (انصاف اور دیانت داری پر مبنی مستند حوالہ جات) کے ساتھ پیش کیں۔ جس پر سیر حاصل بحث و تکرار کے بعد قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔

وصال: آخر کار عبقری زماں ایک ٹھنڈی رات کی صبح کو فجر کی نماز کے بعد 9 فروری 1989ء کو فالج کا شکار ہوا اور 11 فروری کو جناح ہسپتال میں داخل ہوگئے۔ سر کا آپریشن ہوا مگر ذیابیطس کے سبب تاخیر ہوگئی اور فالج کا اثر مضبوط ہوگیا تھا جو اسباب ظاہری کے استعمال کے باوجود مندمل نہ ہوا۔ تاآنکہ تقریبا آٹھ ماہ بعد (سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ) جہاں علاج کے لیے گئے ہوئے تھے 18 اکتوبر 1989ء بدھ کو صبح 4 بجے خالق حقیقی کے پاس چلے گئے۔

تدفین: ام المدارس دارالعلوم امجدیہ کراچی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

(3) حضرت مولانا سید محمد علی حسنی رضوی الوریٰ

آپ کی پیدائش 1332ھ مطابق 1914ء کو الور میں ہوئی، شعبان المعظم 1356ھ مطابق اکتوبر 1937ء کو دارالعلوم حزب الاحناف سے فارغ التحصیل ہوئے، 1947ء تک دہلی کینٹ کی مسجد کے خطیب رہے، جزوی طور پر تدریس بھی کی، قیام پاکستان کے بعد لاہور آکر ہربنس پور کی مسجد میں امامت وخطابت کی، اس کے بعد حیدرآباد آگئے، یہاں آکر محلہ پنجرہ پول میں نور مسجد اور مدرسہ برکات اسلام کی بنیاد رکھی، اسکول میں ہیڈ ماسٹر کے فرائض بھی ادا کرتے رہے۔

1970ء میں قومی اسمبلی کے ممبر بنائے گئے، ختم نبوت بل پاس کرانے میں آپ کا بھی اہم کردار رہا، 1990ء میں مدرسہ احسن البرکات حیدرآباد (بالمقابل ہوم اسٹیڈ ہال) میں شیخ التصوف مقرر ہوئے، دس سال اس منصب پر فائز رہے، آپ حجۃ الاسلام علامہ حامد رضا خان صاحب کے مرید وخلیفہ ہونے کے ساتھ ساتھ، شیخ المشائخ حضرت شاہ علی حسین اشرفی جیلانی، والد گرامی مولانا سید مبارک علی شاہ قادری چشتی، علامہ شاہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری، علامہ شاہ ابوالبرکات سید احمد رضوی اور شہزادۂ غوث الوری حضرت سید طاہر علاؤ الدین گیلانی سے بھی خلافت حاصل تھی۔

آپ نے 11 جمادی الاخریٰ 1429ھ مطابق 16 جون 2008ء کو حیدرآباد میں وصال فرمایا اور درگاہ حضرت عبدالوہاب شاہ جیلانی میں دفن ہونے کی سعادت پائی۔(روشن تحریریں، 52 تا 5، 32، 64)

(4) مجاہد ملت مولانا محمد ذاکر (بانی جامعہ محمدی شریف)

مولانا محمد ذاکر بن مولانا عبد الغفور 1321ھ / 1903ء میں ضلع جھنگ کے معروف قصبہ محمدی شریف میں پیدا ہوئے۔

آپ کا نام حضرت خواجہ محمد دین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے محمد ذاکر تجویز فرمایا، آپ کے والد گرامی کا شمار اپنے علاقے کے پیران طریقت میں ہوتا تھا۔

تعلیم وتربیت: آپ نے اپنے فرزند ارجمند کی تعلیم وتربیت کا بہترین اہتمام فرمایا، غلام محمد انجم ایم اے اپنی تحقیقی مقالہ، بانی جامعہ مولانا محمد ذاکر کی حیات وخدمات، میں آپکی تعلیم وتربیت کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

"آپ کے والد گرامی کی دلی تمنا تھی کہ میرا بیٹا دینی علوم میں مہارت حاصل کرے اور اپنے آباؤاجداد کے سلسلے کو مزید تقویت دے سکے"

آپ نے ابتدائی تعلیم چنیوٹ میں مولانا سلطان محمود کھوکھر سے حاصل کی اسکے بعد کچھ عرصہ مدرسہ نعمانیہ ملتان میں بھی تعلیم حاصل کرتے رہے، مزید تعلیم کے لیے جامعہ عباسیہ بہاولپور میں تشریف لے گئے وہاں مولانا محمد شاکر اور مولانا محمد صادق سے اکتسابِ فیض کیا بعد ازاں دارالعلوم ضیاء شمس الاسلام سیال شریف میں مولانا محمد حسین سیالوی سے تعلیم حاصل کی۔

خلافت: مولانا محمد ذاکر کا شمار پیر سیال شریف کے عظیم خلفاء میں ہوتا ہے آپ کو حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے خلافت حاصل تھی، مولانا اللہ کے ان پیارے بندوں میں سے تھے کہ تقویٰ جن کا لباس اور خوف خدا جن کا اوڑھنا بچھونا تھا۔

جامعہ محمدی شریف کے ناظم و مہتمم کی خدمات انجام دیتے وقت انتہائی مخلص اور بے لوث رہے، تقریباً پینتالیس سال جامعہ کے ناظم عمومی رہے معاوضہ تو کجا جامعہ کا نمک تک استعمال نہ کیا، تحریک خلافت و تحریک پاکستان میں آپ کا عظیم کردار تاریخ کا حصہ ہے۔

آئین "تحفظ ختم نبوت" کے سلسلے میں آپ کا کردار بحیثیت رکن قومی اسمبلی انتہائی نمایاں رہا، آپ علمائے اہلسنت کے ساتھ شانہ بشانہ فتنہ قادیانیت کی سرکوبی کے لیے کھڑے رہے۔

کرکٹ اور مذہبی طبقہ

از: ایم آزاد۔ ایم۔ اے

(یہ تحریر سب کے لیے ہے مگر خاص طور پر اپنے دوستوں کے لیے)

نشے کئی قسم کے ہوتے ہیں......... کچھ جسم کو خراب کرتے ہیں اور کچھ روح کو گزند پہنچاتے ہیں.........بطور لہو و لعب کیے جانے والے کھیل تماشوں کا نشہ بھی کچھ اسی قسم کا ہے جو قلب وروح کو گندہ و میلا کر دیتا ہے۔

کرکٹ بھی انہیں میں سے ایک کھیل ہے بلکہ یہ تو روحانیت کا بیڑہ غرق کرنے والا بڑا گیم ہے.........کیا بچے، کیا جوان بلکہ بوڑھے اور عورتیں بھی اپنی زندگی کا قیمتی ترین اثاثہ یعنی وقت اس پر ضائع کر رہے ہیں.........اب تو مذہبی تشخص رکھنے والوں کی ایک بڑی تعداد بھی کرکٹ کھیلنے میں مصروف نظر آتی ہے ....اور نمازی و اہل علم حضرات کی بھاری تعداد اسٹیڈیم، اپنے موبائل یا گھر و آفس میں ٹی وی پر کرکٹ دیکھنے میں مشغول رہتی ہے۔

علم دین پڑھنے اور عالم و مولانا کہلانے کے باوجود نہ صرف حرام کاموں کے اس مجموعہ کو دیکھتے ،سنتے اور اِس پر خوش ہوتے ہیں بلکہ باہمی ملاقاتوں میں تنقید و تبصرے کا بھی بھرپور حصہ رہتے ہیں.........والی اللہ المشتکٰی۔

افسوس صد افسوس! ایسوں کو بھی حکم شرع معلوم نہیں یا پھر یہ جان بوجھ کو شامت نفس کا شکار ہیں.........نفسانی خواہش کے غلام ہیں.........نشہ لہو ولعب کے خوگر ہیں.........ایسے مذہبی افراد کو بتاتے یا متوجہ کرنے کے لیے اکابر علمائے کرام

ومفتیان اسلام کے اقوال وفتاوی کی روشنی میں یہاں کرکٹ میچ کھیلنے، اس کا تماشہ موبائل وٹی وی پر یا سر کی آنکھوں سے دیکھنے، میوزک سے مالامال اس کا حال سننے، اس پر جوا لگانے، نمازیں یا جماعتیں ضائع اور وقت برباد کرنے کے شرعی احکام بیان کیے جاتے ہیں۔

یاد رہے کہ موجودہ ومتعارف کرکٹ کھلم کھلا لہوولعب ہے......اس پر ڈھیروں ڈھیر جوا کھیلا جاتا ہے...... دوران میچ اسکرین پر حرام اشتہار چلتے ہیں......نیم برہنہ عورتیں دکھائی دیتی ہیں...... بھرپور میوزک ہوتا ہے.........اس دوران مسلمان نماز اور جماعت ترک کرتے ہیں.........الغرض حقوق اللہ اور حقوق العباد کی بہت زیادہ پامالی ہوتی ہے۔

آیئے! اس بارے میں علمائے دین کی رائیں جانتے ہیں:

(1) ہندوستان کے 500 علمائے کرام نے فتاوی عالمگیری (فتاوی ہندیہ) مرتب کیا......اس میں لکھا ہے: کل لھوماسوی الشطرنج حرام بالاجماع واماالشطرنج فاللعب بہ حرام عندنا

یعنی شطرنج کے علاوہ ہر کھیل بالاتفاق حرام ہے اور شطرنج کھیلنا بھی ہمارے نزدیک حرام ہے۔

(فتاوی عالمگیری، 5/352)

محقق مسائل جدیدہ مفتی نظام الدین رضوی دامت برکاتہم العالیہ کا تصدیق شدہ یہ فتوی بھی ملاحظہ کیجیے: کرکٹ یا اس طرح کا کوئی کھیل اگر لہوولعب کے طور پر کھیلے تو حرام وگناہ ہے اور اس سے اجتناب واجب۔ (فتاوی مرکز تربیت افتاء، 2/489)

اور یہ تو بالکل واضح ہے کہ موجودہ ومتعارف کرکٹ محض لہوولعب ہے۔

(2) مفتی اعظم پاکستان علامہ مولانا محمد وقار الدین علیہ الرحمۃ سے سوال کیا گیا کہ کرکٹ کھیلنا اور دیکھنا کیسا ہے؟ تو آپ رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ نے ارشاد فرمایا: حدیث مبارکہ میں ہے:

کل ما یلھو بہ المرء السملم باطل إلا رمیہ بقوسہ و تأدیبہ فرسہ وملاعبتہ امرأتہ فإنھن من الحق

یعنی ہر وہ شے جس سے کوئی مسلمان غفلت میں پڑ جائے باطل ہے مگر کمان سے تیر اندازی کرنا،

اپنے گھوڑے کو سکھانا، اور اپنی بیوی سے ملاعبت (کھیل) کرنا یہ تین کام حق ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، ص202)

حدیث میں واضح طور پر بتادیا کہ مومن کی زندگی لہو لعب کے لئے نہیں ہے لہذا تندرستی کے لئے ٹہلنا یا ورزش کے لئے تھوڑا کھیلنا تو جائز ہے مگر کرکٹ، ہاکی، فٹبال وغیرہ جس طرح کھیلے جاتے ہیں اس میں کوئی مقصد صحیح نہیں ہے بلکہ قوم اور ملک کا بہت بڑا نقصان ہے۔

کروڑوں روپے اسٹیڈیم بنانے اور ٹیم تیار کرنے پر خرچ کئے جاتے ہیں پھر جب ملک یا بیرون ملک پانچ روزہ، تین روزہ، اور ایک روزہ جو میچز ہوتے ہیں، آفس میں بیٹھے ہوئے ملازمین کام کے بجائے ریڈیو (موبائل فون/لیپ ٹاپ/کمپیوٹر) یا ٹی وی سے کمنٹری سننے اور میچ دیکھنے میں مصروف ہوتے ہیں۔

اس میں قوم کے مال کی بربادی اور وقت کو ضائع کرنا ہے اور دین کے نقصان کا تو عالم یہ ہے کہ ہزاروں افراد اسٹیڈیم میں بیٹھے دن بھر کھیل دیکھتے رہتے ہیں نہ نماز کی پرواہ (نہ جماعت کی) نہ اپنا وقت ضائع ہونے کی پرواہ بہرصورت یہ سب کھیل (کرکٹ، فٹبال، ہاکی وغیرہ) کھیلنا ناجائز و حرام ہے اور ان کو دیکھنے اور سننے میں وقت ضائع کرنا بھی ناجائز ہے۔(وقار الفتاوی، 3/436)

(3) دار الافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی) سے 14 نومبر 2022ء کو جاری ہونے والے ایک فتوی میں مذکور ہے: اولاً یہ ذہن نشین رہے کہ کوئی بھی کھیل بطور کھیل کھیلنا لہوولعب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے اور مروجہ کرکٹ لہوولعب کے طور پر ہی کھیلی جاتی ہے، تو جب اس طرح کھیلنا منع ہے تو ان کو دیکھنے کی بھی اجازت نہیں۔

پھر یہ کہ ٹی وی، موبائل، کمپیوٹر وغیرہ کسی بھی اسکرین پہ کرکٹ کا میچ دیکھنے میں اس کے علاوہ متعدد خلافِ شرع کاموں کا ارتکاب پایا جاتا ہے، مثلاً میچ کے دوران بے پردگی پر مشتمل مناظر دکھائے جاتے ہیں، پھر ایسے اشہارات بھی چلائے جاتے ہیں، جن میں بے پردہ عورتیں ہوتی ہیں۔ یونہی براہِ راست میچ دیکھنے میں بھی خلافِ شرع

امور کا ارتکاب ممکن ہے، مثلاً مردوں عورتوں کا اختلاط، میوزک کا سننا وغیرہ۔

اسی طرح کتنوں کی نمازیں قضا ہو جاتی ہیں اور خاص طور پر جماعت کا اہتمام تو بہت مشکل ہو جاتا ہے، تو جس کام میں بھی خلافِ شرع امور کا ارتکاب پایا جائے، خواہ وہ کرکٹ کھیلنا ہو، یا دیکھنا یا ان کے علاوہ کوئی کام، وہ ناجائز و حرام اور گناہ ہے۔

(دار الافتا اہلسنت، فتوی نمبر: WAT-1258)

(4) میچ کے لیے دعائیں کرنے والے بھی خبر دار ہو جائیں...... کہیں لینے کے دینے نہ پڑ جائیں ...حرام کے لیے دعا......استغفر اللہ العظیم...... دو اقتباسات ملاحظہ کیجیے:

(1) شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ سے سوال ہوا کہ زید کرکٹ کھیل رہا تھا، زید نے بکر سے کہا کہ آؤ، آپ بھی کھیلو! تو بکر نے جواب میں "بارک اللہ" (یعنی اللہ برکت دے) کہا، اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ کہ بکر کا ایسے مقام پر "بارک اللہ" کہنا کس جرم میں محمول ہو گا؟

تو آپ نے جواب میں فرمایا:

بکر پر توبہ، تجدید ایمان، تجدید نکاح لازم ہے ۔ کرکٹ کھیلنا حرام ہے اور کسی بھی حرام کام کرنے پر "بارک اللہ" کہنا کفر صریح ہے واللہ تعالی اعلم۔

(فتاوی شارح بخاری، 289/2)

(2) مسائل ورلڈ کی ویب سائٹ پر مفتی صاحب سے سوال ہوا کہ کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ فی زمانہ مروجہ انٹرنیشنل کرکٹ میچز میں قومی ٹیم کی کامیابی کے لئے دعا کرنا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ یہ (دعا) اہم کام جائز کاموں کے لئے جائز و مستحسن بلکہ حکم قرآنی ہے اور ناجائز کاموں کے لئے ناجائز و سخت حرام۔

فی زمانہ رائج کرکٹ میچ بہت ساری غیر شرعی قباحتوں کا مجموعہ بن چکا ہے لہذا اس کے لئے دعا کرنا سخت ناجائز ہے۔ ہمیں تعجب ہے کہ یہ پوچھا گیا کہ کرکٹ میچ کے لئے دعا کرنا کیسا ہے۔ فی الحقیقت سوال تو یہ ہونا چاہئے کہ کرکٹ میچ کے لئے دعا کرنے میں کیا کیا نحوستیں اور وبال ہیں؟

(مسائل ورلڈ، ویب سائٹ)

(5) کرکٹ کی دنیا میں جس قدر جوا کھیلا جاتا ہے شاید ہی کسی اور کھیل میں اتنا ہوتا ہو......... ایک ایک بال پر جوا کھیلا جاتا ہے......... اپنی پسندیدہ ٹیموں پر سٹے باری ہوتی ہے......... کرکٹ میں یہ حرام قطعی بہت بڑا بزنس بن چکا ہے......... حتی کہ بعض ممالک میں اِس قانونی تحفظ بھی حاصل ہے......... اس حرام کے فروغ کے لیے بڑے بڑے ادارے بن چکے ہیں۔

امیر اہلسنت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

ہمارے یہاں مختلف کھیل مثلاً گُھڑ دَوڑ ، کرکٹ، کَیرم ،بِلیرڈ ، تاش ، شطرنج وغیرہ دو طرفہ شرط لگا کر کھیلے جاتے ہیں کہ ہارنے والا جیتنے والے کو اتنی رقم یا فُلاں چیز دے گا یہ بھی جوا ہے اور ناجائز وحرام۔ (غیبت کی تباہ کاریاں، ص190)

مفتی اسلام مفتی محمد قاسم قادری عطاری حفظہ اللہ تعالی رقم طراز ہیں: شطرنج تاش ، لڈو، کیرم، بلیئرڈ، کرکٹ وغیرہ ہار جیت کے کھیل جن پر بازی لگائی جائے سب جوئے میں داخل اور حرام ہیں۔ یونہی کرکٹ وغیرہ میں میچ یا ایک ایک اوور یا ایک ایک بال پر جو رقم لگائی جاتی ہے یہ جوا ہے۔

(صراط الجنان، 1/ 337)

(6) اسلام نے جس چیز کو حرام وناجائز قرار دے دیا ایسی شے کا تماشہ دیکھنا بھی ناجائز وحرام ہے ...... اب چاہے اسٹیڈیم میں بیٹھ کر یہ تماشہ دیکھے یا روڈ پر کھڑے ہو کر......... ٹی وی وسینما کی اسکرینوں پر دیکھے یا اپنے موبائل وکمپیوٹر پر...... سب کا ایک ہی حکم ہے......... فقیہ العصر حضرت علامہ علی بن سلطان المعروف ملا علی قاری علیہ الرحمہ اور دیگر کثیر فقہائے کرام نے یہ حدیث اپنی کتب میں نقل کی ہے:

استماع الملاهي معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها من الکفر ترجمہ: خدا سے غافل کرنے والی چیزوں کو سننا گناہ ،ان کے پاس بیٹھنا (تماشہ دیکھنا) فسق اور ان سے لذت اٹھانا کفران نعمت ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح، البحر الرائق، المحیط البرھانی، الدر المختار)

امام اہلسنت مجدد وقت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ناجائز کام کو بطور تماشہ دیکھنا بھی حرام لان ماحرم فعلہ حرم التفرح علیہ (کیونکہ جس کام کا کرنا حرام ہے اس پر خوشی منانا بھی حرام ہے۔)

(فتاوی رضویہ،24/173)

(7) اب وہ امام صاحبان اور جمعہ پڑھانے والے خطیب حضرات متوجہ ہوں جو کرکٹ میچ، ٹورنامنٹ اور ورلڈ کپ کے دلدادہ ہیں۔ان کا یہ عمل کھلا ہوا ہے.........اعلانیہ ہے...... ذرا غور و دھیان سے یہ فتاوی پڑھیں.........شارح بخاری فقیہ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: عام طور پر جس طرح لوگ کھیلتے ہیں جس میں ہار جیت ہوتی ہے، جیتنے والا تالیاں بجاتا ہے، ناچتا ہے، شور مچاتا ہے، یہ حرام و گناہ ہے۔ اور اس طرح کرکٹ کھیلنے والا فاسق معلن، اسے امام بنانا گناہ، اس کے پیچھے پڑھی ہوئی نمازوں کا دہرانا واجب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاوی جامعہ اشرفیہ، جلد:5(فتاوی شارح بخاری)

نیز حضرت مولانا مفتی محمد مدثر جاوید رضوی (ہند) سے مسئلہ پوچھا گیا: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مسئلہ ذیل میں کہ زید جو کہ ایک مسجد کا امام ہے اور موبائل میں میچ (کرکٹ) دیکھتا ہے تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ انہوں نے جواب تحریر فرمایا کہ موبائل پر میچ دیکھنا حرام ہے اسی طرح ٹی وی یا سینما ہال میں جاکر میچ دیکھنا حرام اور ناجائز و گناہ ہے اول یہ کہ لہو لعب میں داخل ہے دوم یہ کہ بیچ بیچ میں پرچار آتا رہتا ہے جس میں برہنہ لڑکیوں کو دکھایا جاتا ہے اور یہ سب فواحش یعنی بے حیائی میں داخل ہے اور بے حیائی کے بارے میں قرآن کریم کا صاف اعلان ہے:

وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ

ترجمہ کنزالایمان: بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہے اور چھپی۔ (سورۃ الانعام، آیت:151)

اسی طرح قران کریم میں کئی آیات کریمہ ہیں جن میں بے حیائی سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بے حیائی ناجائز و حرام ہے اور حرام کام کرنے والا فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی یعنی دہرانا

واجب ہے جیسا کہ سرکار اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین وملت پروانہ شمع رسالت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمن تحریر فرماتے ہیں کہ فاسق کے پیچھے نماز مکروہ تو اگر دوسرے شخص متقی کے پیچھے نماز مل سکے تو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ جمعہ بھی

لانہ لبلبیل من التحول کما افادہ المولی المحقق حیث اطلق فی الفتح

ورنہ پڑھ لے فانہ اولی من الا انفراد کما فی ردالمحتار عملا بقول من یقول ان الکراھۃ فیہ تنذیھۃ اور پڑھ کر پھر پھیرلے لما ذھب الیہ کثیر من العلماء ان الکراھۃ فیہ تحریمیۃ وھوالذی حققہ فی الغنیۃ وغیرھا وھو الا ظھر کما بیناہ فی فتا ولنا (فتاوی رضوی قدیم،3/158)

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

(8) کچھ لوگ کرکٹ میں ملک کی ترقی اور نام روشن ہونے کے خواب مدتوں سے دیکھ رہے ہیں........جس کی حقیقت کسی دیوانے کے خواب سے زیادہ نہیں........50 سال سے زیادہ ہوگئے مگر آج تک نام روشن ہو سکا نہ ہی ترقی نے ملک کے قدم چومے......چوری ڈکیتی مسلسل بڑھتی رہی۔

بے حیائی وبدکاری اپنے پنجے گاڑتی چلی جارہی ہے........مہنگائی کا طوفان ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتا...... کرپشن کا دور دورہ ہے......اور اتنی ہے کہ اگر ملکوں میں کرپشن کا ورلڈ کپ مقابلہ کروایا جائے تو ہمارے ملک کے فاتح بننے کے امکانات بہت روشن ہیں........لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

یاد رکھو! اگر مسلمان اسلام ، قرآن اور سیرت رسول عربی صلّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلّم کے علاوہ عزت تلاش کریں گے تو ذلت ہی مقدر ہوگی...... بخدا کرکٹ اور گیموں میں کوئی عزت نہیں... امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّا كُنَّا أَذَلَّ قَوْمٍ فَأَعَزَّنَا اللهُ بِالْإِسْلَامِ فَمَهْمَا نَطْلُبُ الْعِزَّةَ بِغَيْرِ مَا أَعَزَّنَا اللهُ بِهِ أَذَلَّنَا اللهُ

ترجمہ: بے شک ہم اقوام میں سب سے کم تر تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت بخشی تو جب ہم اسلام سے ہٹ کر کسی چیز کے ذریعے

عزت حاصل کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالی ہمیں ذلیل کر دے گا۔(مستدرک،130/1)

(9) ہمارے اسلاف وبڑے ہمیں ہر طرح سے سمجھا رہے ہیں........ کرکٹ ودیگر فضول کھیل کود سے دور رہنے کا درس دے رہیں........ قوم کو اس کی قباحتوں اور شناعتوں سے آگاہ کر رہے........ مگر یہ ہیں کہ ٹس سے مس نہیں ہو رہے........ عوام تو رہی عوام اب تو خواص بھی اس کرکٹ کے اسیر و مشیر بنے ہوئے ہیں۔

حکیم الامت مفتی احمد یارخان نعیمی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اپنے لڑکوں (اولاد) کو کرکٹ، ہاکی، فٹ بال سے ہرگز نہ کھیلاؤ۔ کیونکہ یہ کھیل کچھ فائدہ مند نہیں۔(اسلامی زندگی، ص33)

اور نباض قوم حضرت امیر اہلسنت مولانا الیاس عطار قادری مدظلہ العالی کا تفہیم وتنبیہ سے معمور یہ اقتباس بھی ہمیں بہت کچھ سکھا وسمجھا رہا ہے: سوچئے تو سہی! روزہ ایک بھی نہ رکھا ہو، سارا ماہِ رَمَضان اللہ پاک کی نافرمانیوں میں گُزارا ہو، بجائے مَسجِد میں یا عِبادات میں گزارنے کے ساری راتیں اُودَھم بازی اُچھل کُود، کرکٹ کھیلنے یا اُس کا تماشہ دیکھنے، ٹیبل فُٹبال اور وِڈیو گیمز کھیلنے یا آوارہ گردی کرنے میں گُزری ہوں۔

بجائے تِلاوت کلامِ پاک کے رومانی ناولیں پڑھی ہوں اور بجائے نَعتیں سُننے کے ٹیپ ریکارڈر پر خوب فلمی گانے سُنے ہوں اور یُوں اپنے جِسْم ورُوح کو دِن رات گُناہوں میں مُلَوَّث رکھا ہو اور آج عِید کے دِن فِرَنگی طَرز کے اِنگلش فیشن والے بے ڈھنگے کپڑے پہن بھی لئے تو اسے یُوں سمجھئے کہ گویا ایک نَجاست تھی جس پر چاندی کا وَرَق چِسپاں کر کے اُس کی نُمائش کر دی گئی۔(فیضان رمضان، ص1301)

آخر میں غافلوں کی خدمت میں اعلی حضرت کا یہ شعر پیش خدمت ہے:

دن لَہو میں کھونا تجھے شب صبح تک سونا تجھے
شرمِ نبی خوفِ خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ویلنٹائن ڈے اور آج کا مسلمان

از: مولانا احمد نواز قادری

اسلام ایک آفاقی دین ہے جو اپنے ماننے والوں کو خاص عقائد و نظریات، رسم و رواج اور تہذیب و ثقافت کا کاربند بناتا ہے۔ اس کے احکام ہر رنگ و نسل کے لوگوں کے لئے گلدستہ ہدایت ہیں چاہے وہ کسی بھی ملک، خطے، زبان اور زماں سے تعلق رکھتے ہوں۔

یہ محض چند عبادات کے مجموعہ کا نام نہیں بلکہ حیاتِ انسانی کے ہر پہلو، گوشہ اور زاویہ کا احاطہ کئے ہوئے ہے چاہے وہ دینی ہو یا دنیاوی، اخلاقی ہو یا ثقافتی، سیاسی ہو یا سماجی، معاشی ہو معاشرتی، ظاہر سے تعلق رکھتا ہو یا باطن سے غرض اسلام وہ جامع، مکمل ضابطہ حیات ہے جو ہر ہر پہلو میں ہماری اصلاح کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت دیتا ہے۔ اسی اپنے عالمگیر اور آفاقی پیغام کے سبب یہ ہمیں ہر قسم کی برائی، ظلم و زیادتی اور دوسروں کے حقوق و جزبات پامال کرنے سے منع کرتا ہے اور حیاسوز طرز عمل سے بھی روکتا ہے۔

زمانہ رسالت صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم میں ان باتوں پر عمل اور بجاآوری کا ہمیں بہترین نمونہ دیکھائی دیتا ہے، ہر طرف احکامِ خدا پر عمل کا جزبہ، حیا کا دور دورہ تھا پھر جوں جوں یہ دور زمانہ نبوت صلَّی اللہ علیہ والہٖ وسلَّم سے دور ہوتا گیا ویسے ہی اخلاقی اقدار میں کمی نظر آنے لگے لیکن اس کے باجود مسلمان اپنی تہذیب و ثقافت کے پابند تھے۔

ان کے اسی طرز عمل کو دیکھ کر کئی کئی کفار توحید و رسالت کے اقرار اور اسلام کے سچا ہونے پر مجبور ہو جاتے مگر آج! ناقص اور مخلوط تعلیمی نظام، سوشل میڈیا اور دیگر کئی خرافات کے سبب مسلمان

اپنی تہذیب و ثقافت کو بھول چکے ہیں اور ہر ہر ادا و رسم میں مغرب کے پیروکار نظر آتے ہیں۔ اقبال اس داستانِ غم کو کچھ یوں بیان کرتے ہیں:

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلمان ہیں جنہیں دیکھ کر شرمائیں یہود

آج مسلمانوں میں بہت سی ایسی باتیں رائج ہوچکی ہیں جو دین کے مخالف ہیں لیکن اپنی جہالت اور مغرب کی اتباع میں کچھ لوگ ایسے اندھے ہوچکے ہیں کہ انہیں خدا و رسول کا کچھ خوف باقی نہیں رہا۔

اِنہیں خرافات اور حیاء سوز باتوں میں سے ایک "ویلنٹائن ڈے" کے نام سے منایا جانے والا ایک دن بھی ہے جو حقیقت میں مغرب کی ایجاد اور اسلام اقدار کے سراسر مخالف ہے۔ اگرچہ یہ دن مغربی ممالک میں بالخصوص منایا جاتا ہے لیکن مسلم ممالک میں بھی ایک بڑی تعداد ہے جو اس کو باقاعدہ مناتی ہے۔ آیئے اس کی کچھ حقیت دیکھتے ہیں۔

ویلنٹائن ڈے کا پس منظر:

بعض کتب تاریخ میں اس دن کا پسِ منظر کچھ یوں بیان کیا گیا ہے کہ تیسری صدی عیسوی میں رومی بادشاہ "کلاڈیس ثانی" کے زیر حکومت "ویلنٹائن" نامی ایک پادری رہتا تھا، کسی نافرمانی کی وجہ سے رومی بادشاہ کلاڈیس ثانی نے اس پادری کو جیل میں قید کر دیا۔ جہاں پادری اور جیلر کی لڑکی کو ایک دوسرے سے پیار ہو گیا، اسی عشق میں جیلر کی لڑکی نے اپنا مذہب چھوڑ کر پادری کا مذہب نصرانیت قبول کرلیا۔

ان کی محبت آپس میں اس قدر بڑھی کہ جیل میں ہر روز لڑکی ایک سرخ گلاب لے کر پادری سے ملنے آتی تھی، رومی بادشاہ کو جب ان سب باتوں کا علم ہوا تو اس نے پادری کو پھانسی دینے کا حکم جاری کر دیا، جب پادری کو اس بات کا علم ہوا کہ بادشاہ اسے پھانسی دینے کا حکم نافذ کرچکا ہے تو اس نے اپنے آخری لمحات اپنی معشوقہ کے ساتھ گزارنے کا ارادہ کیا اور اِس کے لئے اُس نے ایک کارڈ اپنی معشوقہ کے نام بھیجا جس پر درج ذیل الفاظ تحریر تھے "**مخلص ویلنٹائن کی طرف سے**" آخر کار 14 فروری کو بادشاہ کے حکم پر پادری کو تختہ دار پر لٹکا دیا گیا، چونکہ 14 فروری کے روز پادری کو پھانسی دی

گئی اسی لئے اس کے بعد سے ہر 14 فروری کو یہ دن منایا جاتا ہے۔

اس حیاسوز دن کو منانے کا انداز:

یہ دن نوجوان مردو عورت میں خاص طور پر منایا جاتا ہے جس میں نوجوان لڑکے غیر محرم لڑکیوں کے ساتھ کھلے عام میل جول، ہنسی مزاح اور ایک دوسرے کو پھول دیتے ہیں، اسی وجہ سے اس دن میں پھول بکثرت فروخت ہوتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ شراب اور دیگر خلاف شرع امور بھی بڑی جرأت و بے باقی کے ساتھ کئے جاتے ہیں حالانکہ ہم نے سنا یہ دن مغرب کی ایجاد ہے جو احکام شرع کے بلکل متصادم ہے۔

کیونکہ اسلام دین فطرت ہے جو ہمیں کسی بھی قسم کے ناجائز تعلق کی قطعاً اجازت نہیں، غیر محرم مردو عورت کا اختلاط، میل جول اسلام میں کسی صورت جائز نہیں۔ مردو عورت کے لئے اسلام میں الگ الگ حقوق معین کئے گئے جس میں عورت کو گھر کو زینت بنایا گیا اور اسے گھر سے بلاوجہ نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ شوہر یا والدین کے ذمے اس کے نان ونفقہ کو لازم کیا جبکہ دوسری طرف مرد کو حکم ہے کہ باہر جاکر اپنے اور اہل خانہ کے لئے کمائے۔

پھر ایک مسلمان کو یہ بات کیسے گوارہ ہوسکتی ہے کہ اس کی بیٹی یا بہن کسی اجنبی نوجوان کے ساتھ کھلے عام ہنسی مزاح اور تعلقات قائم رکھے، بے حیائی پر مشتمل تہواروں میں شرکت کرے، دوسرے کے لئے مقام شہوت بنے اور اپنے جسم کو بازار میں فروخت ہونے والی چیزوں کی طرح نوجوان لڑکوں کو بیچے۔

مگر صد افسوس کہ مسلمانوں میں غفلت کی کیسی پٹی بندھی ہے کہ کوئی چیز انہیں نظر ہی نہیں آتی ہے بلکہ وہ ان سب خلاف دین باتوں کو عورت کو حق اور اس کی آزادی سمجھتے ہیں (معاذاللہ) اور خدا و رسول صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی طرف سے عورت کو دیئے گئے حقوق کو اس پر بوجھ اور قید خیال کرتے ہیں۔

خیر یہ تو آنکھ بند ہونے کی دیر ہے پھر سب کچھ روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ قرآن و حدیث میں کثیر مقامات پر عورت کو شرم وحیاء اور باپردہ رہنے کا حکم دیا اور

اجنبی مردوں سے میل جول رکھنے کو منع کیا گیا۔کچھ فرامین ملاحظہ کیجئے:

شرم وحیا کے متعلق قرآنی آیات:

(1)﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَ یَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْؕ-ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْؕ-اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ(۳۰)﴾

ترجمہ:مسلمان مردوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے بے شک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے۔(النور:30)

(2)﴿وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ یَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ﴾

ترجمہ:اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں۔(النور:31)

(3)﴿وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّؕ﴾ترجمہ:اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار۔

(النور:31)

(4، 5)﴿یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّ قُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا(۳۲) وَ قَرْنَ فِیْ بُیُوْتِكُنَّ وَ لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلٰى وَ اَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتِیْنَ الزَّكٰوةَ وَ اَطِعْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ﴾ترجمہ:اے نبی کی بیبیو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو اگر اللہ سے ڈرو تو بات میں ایسی نرمی نہ کرو کہ دل کا روگی کچھ لالچ کرے۔ہاں اچھی بات کہو اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو اور بے پردہ نہ رہو جیسے اگلی جاہلیت کی بے پردگی۔ اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو۔

(الاحزاب:32)

ایک مسلمان عورت جو اللہ تبارک وتعالیٰ اور اس کے محبوب صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم پر ایمان رکھتی ہے اور ان کے فرامین کے سچا ہونے کا یقین کرتی ہے اسے چاہئے کہ اپنے رب کے ان احکامات کو غور سے پڑھے اور ان میں جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرے کہ محض ماننا کافی نہیں بلکہ علم کے ساتھ ساتھ عمل بھی ضروری ہے۔ کس خوبصورت انداز میں اللہ جل شانہ نے ان

آیات میں مؤمنات کے لئے حیا، پردہ اور زیب و زینت کے متعلق احکام بیان کئے۔ آج مردوں کے شانہ بشانہ ہونے کی دعویدار عورتوں کو چاہئے ان آیات میں غور کریں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے یہاں تک احتیاط بیان کی کہ اپنے پاؤں زمین پر سختی سے نہ رکھو، گھروں میں ٹھہری رہو، اپنی چادریں اوڑے رکھو۔ آیئے اس بارے کچھ احادیث مبارکہ بھی سن لیجئے:

بے حیائی کی مذمت میں احادیث:

(1) حضرت حسن بصری رحمۃُ اللہِ علیہ بیان کرتے ہیں "بلغنی أنّ رسول صلی اللہ علیه و سلم قال: لعن الله الناظر والمنظور الیه" ترجمہ: مجھے یہ خبر پہنچی کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا کہ دیکھنے والے پر اور اس پر جس کی طرف نظر کی گئی اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے۔

(2) سنن ابو داؤد میں ہے: "والیدان تزنیان فزناهما البطش والرجلان تزنیان فزناهما المشی والفم یزنی فزناہ القبل" اور ہاتھ زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (حرام کو) پکڑنا ہے اور پاؤں زنا کرتے ہیں اور ان کا زنا (حرام کی طرف) چلنا ہے اور منہ (بھی) زنا کرتا ہے اور اس کا زنا بوسہ دینا ہے۔

(3) صحیح مسلم میں ہے: "عن أبی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم صنفان من اهل النار لم أرهما، قوم معهم سیاط كأذناب البقر یضربون بها الناس ونساء كاسیات عاریات ممیلات مائلات رؤسهنّ كأسنمة البخت المائلة لا یدخلن الجنة ولا یجدن ریحها وإن ریحها لیوجد من مسیرة كذا وكذا"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہُ عنہ سے مروی ہے، فرماتے ہیں کہ رسولُ اللہ صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے فرمایا: دوزخیوں کی دو جماعتیں ایسی ہونگی جنہیں میں نے (اپنے اس عہدِ مبارک میں) نہیں دیکھا (یعنی آئندہ پیدا ہونے والی ہیں، ان میں) ایک وہ قوم جن کے ساتھ گائے کی دم کی طرح کوڑے ہونگے جن سے لوگوں کو ماریں گے اور (دوسری قسم) ان عورتوں کی ہے جو پہن کر ننگی ہوں گی دوسروں کو (اپنی طرف) مائل کرنے والی اور مائل ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اونٹوں کی ایک طرف جھکی ہوئی کوہانوں کی طرح ہوں گے

وہ جنت میں داخل نہ ہوں گی اور نہ اس کی خوشبو پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی دور سے پائی جائے گی۔

(4) نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''لان یطعن فی رأس احدکم بمخیط من حدید خیر له من ان یمسّ امرأة لا تحلّ له'' تم میں سے کسی کے سر میں لوہے کی سوئی گھونپ دی جائے تو یہ اس کے لیے اس سے بہتر ہے کہ وہ ایسی عورت کو چھوئے جو اس کے لئے حلال نہیں۔

(5) نبی کریم صلَّی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلَّم نے ارشاد فرمایا: ''ایاکم والخلوة بالنساء والذی نفسی بیده ما خلا رجل بامرأة الّا دخل الشیطان بینهما ولان یزحم رجلًا خنزیر متلطخ بطین او حماة ۔ ای طین اسود منتن۔ خیر له من ان یزحم منکبه امرأة لاتحلّ له۔''

عورتوں کے ساتھ تنہائی اختیار کرنے سے بچو! اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے! کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ تنہائی اختیار نہیں کرتا مگر ان کے درمیان شیطان داخل ہو جاتا ہے اور مٹی یا سیاہ بدبودار کیچڑ میں لتھڑا ہوا خنزیر کسی شخص سے ٹکرا جائے تو یہ اس کے لئے اس سے بہتر ہے کہ اس کے کندھے ایسی عورت سے ٹکرائیں جو اس کے لئے حلال نہیں۔

قارئین ذی احتشام ہمارا معاشرہ جس مغربی نام نہاد روشن خیالی اور ترقی کی اندھا دھند تقلید کرتا ہے اور اسے انسانی حقوق کا علم دار جانتا ہے۔

آیئے اس کی کچھ حقیقت وہاں کے رہنے والے ایک عظیم عالم کی زبانی سنتے ہیں چناچہ مفتی دعوت اسلامی علامہ فضیل رضا قادری عطاری زیدشرفہ اپنے رسالہ '' ویلنٹائن ڈے قرآن وحدیث کی روشنی میں'' صفحہ 28 میں یورپ کے ایک ملک میں رہنے والے علامہ بدرالقادری مصباحی کی تصنیف ''آداب زندگی'' سے نقل کرتے ہیں:

آپ جانتے ہیں ترقی یافتہ دنیا کسے کہتے ہیں؟

☆ جہاں شراب پینا فیشن اور اُمُّ الخبائث کو بقائے صحت کی ضمانت سمجھا جائے۔

☆ قمار بازی (جوا کھیلنا) اعلیٰ سوسائٹی کا فرد ہونے کی سند ہو۔

☆ ناچ، رقص، اچھل کود، دَھما چوکڑی شور و شر میں ہر نوجوان لڑکا اور لڑکی از خود رفتہ ہو۔

☆ مذہب، دھرم اور ریلیجن جہاں طاقِ نسیاں میں رکھی ہوئی فرسودہ کتاب سمجھی جائے۔

☆ تعلیم کے نام پر جہاں اسکولوں اور کالجوں میں بے حیائی اور بد تمیزی کا کوئی عمل دیکھنے سے رہ نہ جائے۔

☆ رات گئے دیر کو لوٹتے ہوئے ہر نوجوان لڑکا اس شب کی من پسند لڑکی کو بھی بغل کر کے لانے میں آزاد ہو۔

☆ یا لڑکی کلب سے لوٹتے ہوئے ساتھ آئے اپنے نوجوان دوست کا چہک چہک کر گھر والوں سے تعارف کرانے میں کوئی باک نہ محسوس کرے۔

☆ جہاں سنِ شعور کو پہنچنے سے پیشتر ہی لڑکے اور لڑکیاں جنسی اِختلاط کے فطری اور غیر فطری طریقہ آزما چکیں۔

☆ جہاں شادی بیاہ، خاندان، حمل اور ولادت کو فرسودہ طریقہ اور بلاوجہ کی زحمت سمجھا جائے۔

☆ جہاں مرد ہر رات عورتیں بدلتے اور عورت ہر شب نیا بوائے فرینڈ منتخب کرنے میں آزاد ہو۔

☆ اسقاطِ حمل اور اولادِ زنا کی پرورش کے جملہ انتظامات حکومت اپنا ذمہ سمجھے۔

☆ جہاں مردوں کو مردوں کے ساتھ اور عورتوں کو عورتوں کے ساتھ ہم جنسی کی آزادی ہی نہیں بلکہ قانونی تحفظ بھی حاصل ہو۔

☆ جہاں انسانی اخلاق کا معیار اتنا گر جائے کہ بوڑھے بوڑھیاں اولاد سے زیادہ کتے بلیوں کو فرمانبردار سمجھنے لگیں۔

☆ جہاں ایسے واقعات عام ہوں کہ متعدد اولاد رکھنے کے باجود ماں یا باپ تنہا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے، جب لاش سے کفن اٹھے تو پڑوسیوں کے ذریعہ اولاد کو اس کی موت کا علم ہو۔

یہ ہے ترقی یافتہ دنیا کی آزادی اور ترقی کا مختصر خاکہ

(ویلنٹائن ڈے قرآن وحدیث کی روشنی میں، ص28، بحوالہ آداب زندگی، علامہ بدر القادری مصباحی)

مزید مفتی صاحب فرماتے ہیں: غور کیجئے! اس قسم کے آزاد معاشرے اور اس میں جنم لینی والی

برائیوں سے مسلم معاشرہ کیوں محروم ہے اس فکر میں مغربی مفکرین اور اسلام دشمن قوتیں ہر لمحہ مصروف رہتی ہیں اور "ویلنٹائن ڈے" جیسے دنوں کے نام پر اپنی ان خرافات سے مسلم دنیا کو بھی روشناس کرانا چاہتی ہیں اور جانتی ہیں کہ موجودہ حالات میں اکثر مسلمان دین سے اور دینی تعلیمات سے دور ہیں اور نفس و شیطان کے مکر و فریب میں بآسانی مبتلا ہو جاتے ہیں۔

اس لئے ایک ایک دن کی حد تک ہی سہی جب ہماری طرح جدت و لذت کے نشہ میں مدہوش ہو کر بے حیائی و بے پردگی اور وہ بھی سرعام کریں گے تو پھر اس لت سے پیچھا چھڑانا ان کے لئے مشکل ہو جائے گا اور آہستہ آہستہ یہ برائیاں ان کے معاشرے میں بھی جڑ پکڑ لیں گی اور دیمک کی طرح اسے چاٹتی رہیں گی چونکہ دینی و روحانی پاکیزگی سے روشناس کرانے والے علمائے حق جو ان کے معالج بھی ہیں اور رہبر بھی ان سے تو پہلے ہی قوم دور ہے اس لئے ان کا سمجھانے کا ان پر اثر تو کم ہی ہوتا ہے ان بے حیائیوں کے باعث ان سے مزید دور ہو کر ان کی برکات سے مزید محروم ہو جائے گی۔۔(حوالہ مذکور، ص30)

اس کے علاوہ بھی بہت سے ایام مغرب کی اتباع میں منائے جاتے ہیں جیسے سکول، کالج میں پہلے دن آنے والے طالب علم کے ساتھ مذاق کرنے کے مختلف طریقہ رائج ہیں، اس کو اپنی کلاس کے بجائے دوسری میں بھیج دیناوغیرہ۔

علمی وتحقیقی مضامین پر مشتمل مجلہ
سہ ماہی
سوئے طیبہ
مدیرِاعلیٰ
مولانا بلال احمد شاہ ہاشمی